کتب خانوں اور ملا فیروز لائبریری بمبئی اور ذخیرہ آقائے اسلام سید محمد لاریجانی
نادر مخطوطات کا تعارف، ان کے مصنفین و خطاطوں کا مختصر تذکرہ،
ت، فصول و ابواب کی تعداد، سنہ تصنیف و کتابت تحریر کی ہے، جن مخطوطات
ے کتبخانوں میں ان کے موجود ہونے کا علم ہو سکا ہے، اس کی تصریح کیگئی ہے
ہم مخطوطات کا ذکر ہے، ان میں ۲۵ حبیب گنج، ۱۰ الٹن لائبریری اور باقی
ں کے ہیں، علمی و تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے یہ رسالہ نہایت مفید ہے۔

ت۔ مرتبہ مولانا عبد الحیٔ حین پیر صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت
۲۴۰، قیمت للعربیۃ: جامعہ اسلامیہ، بہاول پور، مغربی پاکستان۔

زمرہ زندگی کے متعلق اسلام کی اہم اور ضروری تعلیمات کا مجموعہ ہے، فاضل
ث اور علماء و فقہا کے اقوال کی روشنی میں سادہ و عام فہم زبان اور دلکش پیرایہ
عقائد و عبادات سے شروع ہو کر تصوف و اخلاق پر ختم ہوتی ہے، اس میں
و سیاسی اور وراثتی قوانین اور آداب و حقوق کا ذکر بھی مفصل آگیا ہے،
متعلق مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں، اور کہیں کہیں مختصر دلائل و فوائد
گئے ہیں اور اختلافات سے تعرض کیے بغیر عقائد میں اہلسنت اور احکام و مسائل
نی کی گئی ہے، یہ کتاب اگرچہ مغربی پاکستان کے محکمۂ اوقاف کی فرمائش پر
بقہ اور مساجد کے ائمہ و خطیبوں کی روزمرہ مسائل سے واقفیت کے لیے
کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے نہایت مفید و کارآمد ہے، اور وہ مسلم اسکولوں
نصاب میں شامل کرنے کے لائق ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۲ ماہ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۶۸ء عدد ۴

مضامین

شذرات

...ی پیدائش کو ایک صدی پوری ہوگئی ہے، اس تقریب سے انکی صدسالہ یادگار منائی جائیگی
...ور کے دنیا کے عظیم انسانوں میں تھے، وہ تنہا سیاسی لیڈر ہی نہیں، اخلاقی مصلح بھی تھے،
...ھوں نے سیاست جیسی فریب کاری کو اخلاق کا پابند بنایا، آزاد ہندوستان کے تو
...س لیے انکی یادگار منانا صرف قومی نہیں بلکہ انسانی فرض بھی ہے، مگر خود یادگار
...حال ہے کہ ان کی ایک ایک تعلیم کو فراموش کر دیا ہے، انھوں نے جس قدر جلد
...ات کو بھلایا ہے اُس کی مثال اس زمانہ میں نہیں مل سکتی۔

...چائی، ایمانداری اور عدل و مساوات کے سب سے بڑے علمبردار تھے، انسانیت دوست تھے،
...علی سب برابر تھے، وہ پست و بلند اور دولت و امارت کا فرق مٹا کر سب کو مطمئن
...ر دیکھنا چاہتے تھے، اُن کا دل بڑا وسیع تھا، اس میں ہر مذہب و ملت کا احترام اور
...ہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے، اور سب کو ملکی حقوق میں
...تھے، امن و سلامتی اور ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے، اس کے لیے انھوں نے
...کا مقصد زندگی ملک کی خدمت اور ہندوستان کو جنت نشان بنانا تھا، لیکن ان کے
...یں ہر چیز کو مٹا کر اس کو جہنم بنا دیا ہے۔

اُن کی یادگاریں بڑی پُرزور تقریریں ہوں گی، انکی ثنا و صفت میں ہزاروں صفحات لکھے جائیں گے، ملک کے گوشہ گوشہ میں انکی یادگاریں قائم کی جائیں گی، ساری دنیا کو ان کی تعلیمات قبول کرنے کی دعوت دیجائیگی، پورا ملک اُن کی یادگار کے شور سے گونج اٹھے گا، لیکن اس ہنگامہ میں سب سے زیادہ ناقابلِ التفات اُن کی تعلیمات ہی ہوں گی، اُن میں سے ایک پر بھی عمل نہ ہوگا، اس یادگار سے نمائش کے سوا ہندوستان کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے، اگر کسی اور ملک کو اتنا بڑا لیڈر ملا ہوتا تو اسکی کایا پلٹ جاتی لیکن یہ ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ اس نے ہندوستان کی آزادی کے علاوہ ان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، انکی تعلیمات کو فراموش کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ آزادی بھی غلامی سے بدتر ہوگئی ہے۔

ان کی صحیح یادگار یہ ہے کہ ان کے مشن کو پورا اور انکی تعلیمات پر عمل کیا جائے، وہ ملک کو جس راہ پر لیجانا چاہتے تھے اسی پر لیجایا جائے، اگر صرف کانگریس جو انکے مشن کی حامل ہے اس کا عہد کرلے اور اس راہ پر گامزن ہو جائے تو یہ اُن کی سب سے بڑی یادگار ہوگی، اس سے گاندھی جی کی روح بھی خوش ہوگی اور ملک کی بھلائی بھی اسی میں ہے، اس کے علاوہ اس کی نجات کی کوئی راہ نہیں ہے۔

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی جن کا ذکر ان صفحات میں آچکا ہے، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک لائق فرزند ہیں، تعلیم سے فراغت کے بعد کئی سال تک ندوہ میں تفسیر کے مدرس رہے، پھر جدہ ریڈیو میں ملازم ہو کر حجاز چلے گئے، الرابطۃ الاسلامیہ کے قیام کے بعد اس میں منتقل ہوگئے، انھوں نے پرائیویٹ طور پر انگریزی میں بھی اچھی استعداد پیدا کرلی تھی، لندن کی یونیورسٹیاں ندوہ کی سند کو تسلیم کرتی ہیں، اس لیے وہ اڈنبرا یونیورسٹی کے وظیفہ پر لندن گئے اور سعودی عرب کے علاقہ غامد و زہران کے لہجہ کی لغوی تحقیق، فصیح لہجوں میں اس کا مقام اور دوسرے لہجوں سے

لیڈن یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، دوران تعلیم میں لیڈن
سٹنٹ پروفیسر بھی مقرر ہوگئے تھے، اب وہ مکہ معظمہ واپس آگئے ہیں۔

یہ پہلی مثال ہے کہ خالص عربی کے ایک عالم نے کسی یونیورسٹی میں تعلیم
ن سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، انھوں نے جس موضوع پر تحقیق کی
ہندوستانی کے لیے باعث فخر ہے، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ لندن کی تعلیم
ں نے اپنی دینی حیثیت اور اس کے ظاہری آثار میں بھی فرق نہیں آنے دیا،
بی مدارس کے فارغین تک یورپ کی ہوا کھانے کے بعد سب کو خیرباد
ں زمانہ میں دین کی خدمت کے لیے جس قسم کے علماء کی ضرورت ہے،
ں کا مثالی نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے علم کو انکے دین کے لیے مفید بنائے۔

لیم صاحب سابق صدر شعبۂ عربی و اسلامیات کے والیس چانسلر
شعبہ کو تین شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، شعبۂ عربی کے صدر ڈاکٹر مختار الدین احمد
یں، جو اس کے اہل و مستحق تھے، انھوں نے اس شعبہ میں بعض نئی اصلاحات
ش نظر ہیں، جن سے توقع ہے کہ شعبۂ عربی میں مزید توسیع و ترقی ہوگی،
و ڈاکٹر حافظ غلام مصطفےٰ صاحب بڑے دیندار، ذی علم اور لائق
ہے کہ دونوں کے اشتراک و تعاون سے شعبۂ عربی کے علمی و تعلیمی
رگا۔

مقالات

تہذیب کی تشکیلِ جدید

از جناب مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی

(۲)

اصلاح شدہ مذہب | (۳) اصلاح شدہ مذہب۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے ایک طرف قدیم علوم و فنون جو متروک ہو گئے تھے وہ از سر نو زندہ کیے گئے، اور اُن میں حیرت انگیز ترقی ہوئی، دوسری طرف موجودہ مذہب کی اصلاح کی طرف بھی توجہ ہوئی، اس سلسلہ میں مندرجۂ ذیل اشخاص اور تحریکیں قابل ذکر ہیں۔

(۱) جان وکلف (John wycliffe) نے چودھویں صدی عیسوی میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم دیتا تھا، موجودہ مذہب پر سخت نکتہ چینی کی اور یورپ نے اس جرم میں اس کو برادری سے خارج کر کے تعلیمی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔

(۲) ایرئسمس (Erasm) (۱۴۶۶ء سے ۱۵۳۶ء کا زمانہ) نے کلیسا کی خرابیوں کو بے نقاب کیا اور ایک کتاب حماقت کی تعریف (The Praise of Folly) لکھی، اس میں مذہبی نظام پر حملہ کر کے پورپ کے وقار کو سخت نقصان پہنچایا، یہ شخص ہالینڈ میں پیدا ہوا تھا لیکن زندگی کا بیشتر حصہ فرانس، انگلستان، اٹلی اور

را۔

ارٹن لوتھر (Martin Luther) نے مذہبی اصلاح کی سب
ی۔ یہ ۱۴۸۳ء میں جرمنی میں پیدا ہوا اور ۱۵۴۶ء میں وفات پائی۔
نتیجہ میں بالآخر جرمنی میں پروٹسٹنٹ فرقہ کی بنیاد پڑی جو کیتھولک فرقے
ند تھا۔

ے غلط تاثر | خوش قسمتی سے اس کی اصلاحی تحریک کو ایسا زمانہ نصیب ہوا
زوال کی انتہائی پستیوں سے گذر کر مائل بہ عروج تھا، اس بنا پر بحیثیت مجموعی
رات دیکھکر بعض مصنفین نے یورپ کی تمام ترقیاتی تحریکوں کی بنیاد مذہب
ہے،

تھائی نے مختلف دلائل سے ثابت کیا ہے کہ جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ
یانہ تحریکات کی نشو و نما میں مذہب ہی کار فرما تھا، اور مغرب کی جدید روح
بی تصور کا نتیجہ ہے۔

ح نظریۂ ارتقاء کے بارے میں بھی بعضوں کا خیال ہے کہ اس کی بنیاد مذہبی
کیونکہ اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء ہے۔ اور سب سے اعلیٰ خدا ہے[1]،
ن مذہب کے اس قدر گہرے اثرات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، انھوں نے
اصلاحی تحریک اپنی بنیادی خامیوں کی وجہ سے نشاۃ کی تیاری اور تہذیبی
نقلابی کردار نہ ادا کر سکی بلکہ جو نفسیاتی قوتیں اور خاصیتیں پہلے سے
ے رہی تھیں ان کو البتہ واسطہ اور بلا واسطہ قوت پہنچانے کا باعث ہوئی۔

ی کا فلسفہ تمدن و تعلیم۔

اس تحریک میں چند بنیادی خامیاں | جیسا کہ ایچ، او، ویگمن کی درج ذیل تصریحات سے ان بنیادی خامیوں کا ثبوت ملتا ہے:۔

"مذہب پروٹسٹنٹ اول اول ایک بڑے اخلاقی انقلاب کا خارج میں رونما ہونا تھا، یعنی بعض لوگوں کی دینی اور اخلاقی فطرت نے بدعت آلود مذہب اور ناشائستہ و ناقابل اصلاح رواج کے خلاف سر اٹھایا، اور چونکہ اس کی بنا اذکا و تردید پر تھی، لہذا جب تک اس کا کام کلیتہً بربادکن تھا اس وقت تک اس کا بڑا زور شور رہا، اخلاقی سقم دور کرنا اور ایک ایسے مذہب پر جس کے اصول کی تعریف غلط کی گئی تھی یورش کرنا ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں حق کے واسطے مذہبی جنگ کا جوش اور ولولہ تھا، نہایت آسان تھا لیکن جب اس کی باری آئی کہ وہ خود اپنا آئین وضع کرنے اور اپنے اصول قرار دینے اور حقیقت کی تشریح کرنے کی کوشش کرتے تب اس کی کمزوریاں نمایاں ہوگئیں ..... تھوڑے عرصہ میں اس مذہب کے دو فرقے ہوگئے جو لوتھر اور کالوین کے نام سے منسوب کئے گئے اور ان دونوں میں ایسی پھوٹ پڑی کہ یہ ظاہر ہوگیا کہ ہر فرقہ کا رجحان مزید قیود اور مزید تفریق کی طرف ہے .... یہ تحریک بھی مختلف اور پیچیدہ اسباب پر مبنی تھی، ایک حد تک نسلی تفریق نے اثر دکھایا کہ رومی زبان (اطالوی، فرانسیسی ہسپانوی اور پرتگالی) بولنے والی قومیں اور سلافی نسل کے لوگ عموماً کچھ توقف کے بعد علانیہ پروٹسٹنٹ مذہب کے خلاف ہوگئے .... مذہب پروٹسٹنٹ گو تجدید علم سے پیدا ہوا تھا لیکن اس کے مطالبات کی پیاس نہ بجھا سکا، اس نے علما تیار کیے لیکن عوام کے واسطے کچھ نہیں کیا تھا .... لوتھر نے عوام کی

...بت ڈوسا اور شہزادگان سے زیادہ قریبی تعلقات قائم کیے اور ابتدائی معرکوں
...اس نے انہی سے حفاظت و مدد کی التجا کی اور آخری ایام میں انہی پر پورا
...د کیا...... یورپ میں پروٹسٹنٹ مذہب کے خلاف ردعمل سولہویں صدی
...ن آخر میں رونما ہونے لگا تھا، تمام بڑی مذہبی اور ملکی تحریکوں کی طرح
...ب بھی مختلف اور پیچیدہ اسباب پر مبنی تھی۔"[1]

...نٹ کی رائے | اے، جے گرانٹ کے درج ذیل بیان سے بھی بنیادی خامیوں
...تا ہے :۔

...وتھر نے (مظالم کے خلاف صدائے احتجاج کے زمانہ میں) کسانوں کی مخالفت
...تحریروں اور تقریروں سے کی، اس نے امراء سے مطالبہ کیا کہ اس شورش
...سے فرو کیا جائے، حتیٰ کہ ظلم کرنے سے بھی اس نے منع نہیں کیا، کسانوں نے لوتھر
...د چاہی تھی، مگر اس نے بجائے مدد کرنے کے ان کی مخالفت کی جس کا نتیجہ
...س کی تحریک کی عام مقبولیت باقی نہ رہی، اس زمانہ میں لوتھر کو متوسط اور
...قہ کے بھروسہ پر کام کرنا پڑا اور اس کی تحریک حکومت سے وابستہ ہوگئی،
...جہ سے یہ خصوصیت ہمیشہ قائم رہی ...... مذہب کا معاشرت میں اتنا
...ہ مذہب میں کسی قسم کا خلل لازماً معاشرتی و سیاسی حالت میں بھی خلل انداز
...اور لوتھر اس سے بچنا چاہتا تھا، ...... (بعض کوتاہیوں کی وجہ سے
...لو یہ کہنے کا موقع ملا) کہ لوتھر کی تعلیم سے آوارگی اور بد اخلاقی کا اثر ہوگیا تھا
...لیکیت کے اخلاقی معیار کی اصلاح نہ ہوئی تھی"[2]

---

[1] ...نفذ ایچ، او، ڈگین ایم اے ص ۵۴ و ۱۱۴ [2] تاریخ یورپ از اے، جے گرانٹ

در اصل اس تحریک کا بیشتر حصہ پوپ کے خلاف صدائے احتجاج پر مبنی تھا اور ردعمل کے طور پر اوپری سطح کی خرابیوں کے دور کرنے ہی میں اس کا اثر ظاہر ہوا تھا جس کی بنا پر نفسی زندگی میں کسی انقلابی کردار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا،

اصلاح کی دوسری تحریکیں | اس تحریک کے علاوہ سولہویں صدی میں اصلاح مذہب کے نام سے دوسری اور کئی تحریکیں وجود میں آئی تھیں اور اپنے اپنے حلقہ میں ایک حد تک ان کا اثر بھی ظاہر ہوا تھا، مثلاً زونگلی (Zwingli) تحریک، کالونی (Calvini) تحریک کیتھولک فرقہ کی بیداری جو اصلاح معکوس یا رومن کیتھولک ردعمل کے نام سے مشہور ہے، یسوعی سلسلہ کا قیام وغیرہ۔

لیکن یہ سب تحریکیں ایک دوسری کے عمل و ردعمل کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی تھیں، اور "ثنائے ربانی" جیسے حقائق زندگی سے غیر متعلق مباحث سے اپنا دامن چھڑانے میں کامیاب نہ ہو سکی تھیں،

کیلونی تحریک کی خصوصیات | البتہ کیلونی تحریک میں نسبتہً زیادہ خصوصیات پائی جاتی ہیں، مثلاً

(۱) اس میں ضبط اخلاق پر زیادہ زور تھا اور اخلاق کے احتساب و نگرانی کیلئے محکمہ بھی قائم ہوا تھا،

(۲) کلیسہ کی حکومت ایک ایسی جماعت کے ہاتھ میں تھی جو پادری اور عوام دونوں پر مشتمل تھی، حکمراں جماعت میں چھ پادری اور بارہ اکابر قوم ہوتے تھے۔

(۳) کیالون کی تعلیم کے مطابق کلیسہ اور حکومت دو علحدہ چیزیں تھیں، سلطنت کلیسہ کے معاملات میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی وغیرہ۔[1]

---

[1] تاریخ یورپ از اے، جے گرانٹ ص ۱۲

رح کیلونی تحریک میں سرمایہ داری کی مخالفت بھی پائی جاتی ہے، چنانچہ
ہنا محض خیال آرائی نہیں کہ کیلون نے سولھویں صدی کے سرمایہ داروں کے لیے
م کیا جو مارکس نے انیسویں صدی کے پرولتاریہ کیلئے کیا بیشک کیلون کی سطح تنگ تر
ن اس کے آلات کم خطرناک نہ تھے، [1]

ب کوئی | ان خصوصیات کے باوجود کیلونی تحریک کو معاشرتی زندگی میں عام
ادا کرسکا | قبولیت کا درجہ نہ حاصل ہوسکا، جیسا کہ اس وقت کے حالات
تا ہے کہ ان تحریکات کے فروغ میں ان کی خصوصیات سے زیادہ مقامی و
اور قومی وطبقاتی مفاد کو دخل ہوتا تھا،

وجہ عیسوی مذہب کو مختلف جہتوں سے طویل عرصہ تک کام کرنے کا موقع ملا،
یادی اور تہذیبی رہنمائی میں کسی انقلابی کردار کا ثبوت نہیں ملتا ہے، جیسا کہ
ہے:

کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ مسیحیت کو اپنا امتحان دینے کا پورا موقع حاصل ہوا اور
ان میں وہ ناکام ثابت ہوئی۔ [2]

۴) فطری مذہب

ہب وہ ہے "جو تمام خارجی رسوم و روایات سے آزاد ہو اور محض فطرت
ہو" [3]

مبلغین کے خیالات درج ذیل ہیں:-

---

[1] ر سرمایہ داری از آر، ایچ ٹانی ص ۱۲۹ بحوالہ مطالعۂ تاریخ حصہ اول ص ۱۹۹
[2] ن یورپ ص ۱۲ [3] تاریخ فلسفۂ جدید جلد اول ص ۶۷

"بوون" اپنے ایک دوست کو توحید کلی کی حمایت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"مذہب کے مختلف خیالات سے گمراہ مت ہو، دل وجان سے صرف اس حقیقت پر قائم رہو کہ سچا مذہب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک پاک روح اپنا رخ خدا کی طرف رکھے، یہی میرا مذہب ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہی مسیح کا مذہب ہے .... اگر وقتاً فوقتاً اعلیٰ درجہ کے انسان بطور "اسوۂ حسنہ" نوع انسان میں پیدا نہ ہوتے رہیں تو لوگ اندھیرے میں بھٹکتے پھریں گے، بنی اسرائیل کے بزرگان خاندان اور انبیائے یونان وروما کے عارف ایسے ہی لوگ تھے۔ [1]

"بوون" کا خیال ہے کہ جو کام افلاطون نے شروع کیا تھا اس کو مسیح نے پورا کیا اور اس کے بعد خدا کے منتخب لوگ اس راستہ کی تعلیم دیتے رہے، اس مرحلہ میں "وحی" کی مخالفت زیادہ واضح نہیں ہے، مگر بظاہر انبیاء ورسل کی اصل حیثیت ختم کردی گئی ہے۔

ایک اور مبلغ ٹورالبا (Toralba) کہتا ہے:-

بہترین مذہب وہی ہے جو قدیم ترین بھی ہے، سب سے پہلے انسان نے اپنا علم اور تقویٰ براہ راست خدا سے حاصل کیا ...... جب لوگوں نے اس فطری مذہب کو ترک کردیا جو عقل کے ساتھ ان کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا ہے، تو وہ گمراہ ہوگئے فطری قانون اور فطری مذہب انسان کے لیے کافی ہے، اس کے علاوہ تمام مذاہب عیسائیت، یہودیت، اسلام اور دیگر غیر عیسوی مذاہب سب کے بغیر کام چل سکتا ہے، فطری مذہب کے لیے کسی مخصوص تعلیم و تربیت کی ضرورت نہیں ہے، انسان اس کے لیے پیدا کیا گیا ہے، اور وہ انسان کی فطرت میں موجود ہے جو عقل ہیں

---

[1] تاریخ فلسفہ جدید، ج ۱ ص ۶۷

ی ہے وہ نیک و بد میں تمیز کر سکتی ہے، خاص خاص لوگوں میں یہ مذہبی اور اخلاقی
روں سے زیادہ پائی جاتی ہے[۱]۔

کے مطابق رہنمائی کے لیے وحی کی ضرورت نہیں ہے، فطرت اور عقل کافی ہیں،
نے فطری مذہب کو نفسی و منطقی دلیلوں سے آراستہ کرکے زیادہ وسیع حلقوں
نے اس مذہب کی تعلیم کے لیے ایک نظریۂ علم قائم کیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے:

رافت کا ادراک ہو سکتا ہے تو اس مقصد کے لیے ضرور ہماری طبیعت
ہوں گے، یہ ملکات ان حقائق کلیہ کی بنیاد پر ہیں جو مختلف مذاہب کے
م ہو سکتے ہیں، حاسۂ ظاہری و باطنی اور "عقلی تضاد" کے علاوہ ہم میں ایک
ے حقائق تک لیجاتی ہے جو تمام انسانوں میں مشترک ہیں،

ہربرٹ نے فطری مذہب کو جبلّی اساس پر قرار دیتے ہوئے اس کی بنیاد پانچ

ترین ہستی الٰہی کا وجود ہے جس کی پرستش کرنی چاہیے، اور پرستش کا سب

ا ہے،

ں اور جرم سے توبہ کرنا چاہیے۔

گی کے بعد اعمال کی جزا و سزا ملے گی،

اہب کی ہر ان باتوں پر ایمان لانا چاہیے جو ان اعتقادات کی تردید

ل ان کو صحیح نہیں سمجھتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت سے غلط اور نامناسب

ا ص ۶۶

تصورات مذاہب مروجہ میں داخل ہوگئے ہیں، جن سے بیزار ہوکر بعض لوگ تمام مذاہب حتی کہ
فطری مذہب کو بھی رد کر دیتے ہیں۔

پھر لکھتا ہے:

"مذہب کے لیے یہ پانچ ارکان کافی ہیں، ہمیں چاہیے کہ انھیں مضبوط پکڑیں
اور بحث طلب مسائل کو برطرف کر دیں .... اس فطرت کے ذریعہ جس
پر فطری مذہب کی بنیاد ہے، انسان کو ایک مسلسل باطنی وحی ہوتی رہتی ہے جس سے
وہ مذہبی پیشواؤں کے پند و نصائح سے آزاد ہو جاتا ہے"[۱]

مذہب خود لامذہبیت میں تحلیل ہوگیا

ظاہر ہے یہ مذہب نہایت مختصر اور مذہبی تفصیلات سے خالی
ہے، اس میں زندگی کی کائنات ایک مجہول فطرت کے حوالہ کی گئی ہے، جس سے رہنمائی و
روشنی حاصل کرنے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔

پھر بھی فطری مذہب کی اشاعت کے بعد ایک وسیع حلقہ میں یہ خیال راسخ ہوگیا
کہ زندگی کے نظریات و کردار کے تعین کے لیے مذہبی سند اور تقلید کی ضرورت نہیں ہے،
فطرت اور عقل کے ذریعہ انسان جو بصیرت حاصل کرتا ہے وہ اس کی رہنمائی کے لیے کافی ہے،
غرض اس طرح رفتہ رفتہ مذہب خود لامذہبیت میں تحلیل ہوا اور جس کا کام حالات و جذبات
پر قابو پانا تھا وہ خود جذبات و حالات کا پیدا کردہ قرار پایا، جیسا کہ مذہب کے بارے میں
میکڈوگل اور فرائڈ کے خیالات سے ثابت ہوتا ہے جو اوپر گذر چکے ہیں، مذہب کے بارہ میں
اشتراکی اقتصادیین کی رائے یہ ہے:-

مذہب و خدا معاشی حالات کے تابع انسانوں کے وضع کردہ اور امراء و غرباء کی

---

[۱] تاریخ فلسفہ جلد اول

ہیں، یعنی جب امیروں نے اپنی امارت میں استقلال کے لیے غریبوں کو
روری جانا تو انھوں نے مذہب وخدا کو ایجاد کیا تاکہ ان کے سہارے
دٹ پر مبنی مفاد کی تکمیل کرسکیں،

رت وغربت کو برقرار اور غربا، کو غافل رکھنے کے لیے ابتدا میں خدا
ہوا، جس نے امیری وغریبی پر قانع رہنے کی تلقین کی اور اس کو امور
عار کیا، پھر بعد میں حالات کی مناسبت سے مذہبی مراسم واعمال کا
یا،[1]

ے میں یہ سارے خیالات ایسے ہی ہیں جیسے رات کے اندھیرے میں
گلی سے گذر رہا ہو تو اس کے متعلق مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوتے
ہے؟ سی آئی ڈی یا پولیس کا آدمی ہے؟ یا مریض ہے جس نے
نا شروع کر دیا ہے؟ یا کسی مریض کو دکھانے کے لیے کسی ڈاکٹر کو
بہت ممکن ہے کہ شخص مذکور ان میں سے کوئی نہ ہو،

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ جن مذاہب نے شاکلہ کی تیاری
اور تہذیبی رہنمائی میں حصہ لیا وہ اس قدر ناقص اور انسانیت
انت خود فطرت ردعمل پر مجبور ہوئی اور چار وناچار تہذیبی قافلہ
د کرنا پڑا، جس نے ذہنی وفکری قوتوں کو منظم کرکے کاروان حیات
لیکن "بہ یک" پر اس کو قابو نہ حاصل ہو سکا، پھر اسٹیم (احساسات
ت نے زندگی کی گاڑی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا، اور انسان محض

---

[1] اشتمالی منشور۔ انقلاب روس، لینن کی مجموعی تحریریں وغیرہ۔

تماشائی بنکر رہ گیا،

(۳) عملی تشکیل

ابتدا میں تہذیبی مباحث کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا (۱) نفسیاتی تکوین اور (۲) عملی تشکیل۔

نفسیاتی تکوین کے بعد اب اس کی عملی تشکیل کا ذکر کیا جاتا ہے جس کے بغیر زندگی کی گاڑی وہاں سے نہیں واپس ہو سکتی، جہاں اس کو مغربی تہذیب نے پہنچا دیا ہے۔

تشکیل جدید میں سب سے زیادہ اہمیت انسان کے مقام کو حاصل ہے

علم وحی کے مطابق تہذیب کی تشکیل میں سب سے زیادہ اہمیت کائنات میں انسان کے مقام کو حاصل ہے، پھر اس کی شخصی ومعاشرتی زندگی، معاشی وسیاسی نظام اور فلسفہ واخلاق وغیرہ پر گفتگو ہوگی۔

مقام انسانی کی معرفت کے لیے چار چیزوں میں غور وفکر کو ضروری قرار دیا گیا ہے (۱) انسان کی اصلیت (۲) کارکردگی کی صلاحیت (۳) کام کی نوعیت اور (۴) جد وجہد کا میدان۔

اول وثانی کی بحث نفسیاتی تکوین میں گذر چکی اور نوعیت[۳] و میدان[۴] کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) انسان کی اصلیت وصلاحیت کی بنا پر خالق کائنات نے اس کو اپنی نیابت اور کائنات کی قیادت کی ذمہ داری سپرد کی ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً[1] — میں زمین میں نائب مقرر کر رہا ہوں۔

دوسری جگہ ہے:۔

---

[1] سورہ بقرہ، رکوع ۴

نَاجَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً | اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں نائب
بِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ | بنایا ہے، لوگوں کے درمیان حق و
تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ | انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو اور
بِ اللّٰهِ | خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ
ہ ص رکوع ۲) | اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گی۔

صل نوعیت یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں بحیثیت مجموعی خالق کائنات
ی حکمت عملی کا ظہور ہو، اگر ایک طرف اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات
دوسری طرف تخلیق و تسخیر کے وہ کارہائے نمایاں انجام پائیں جن سے
اور اس کی قدرت آشکارا ہو۔

نمود اس کی نمود تیری ۔ نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو آشکار کر دے خدا تجھے آشکار کر دے

لیے جد و جہد کے دو میدان انسان کے سپرد ہوئے ہیں :-
ذات اور (۲) پوری کائنات

قرآن حکیم میں ہے :
مْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ | اور اپنے نفسوں میں کیا تم نہیں دیکھتے ہو

ہے :
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا | اور اللہ نے آسمان و زمین کی ساری
جَمِيْعًا مِّنْهُ | چیزیں تمھارے لیے مسخر کر دیں۔

ہ سورہ جاثیہ رکوع ا

فرد کی ذات اور کائنات میں ربط و تعلق

ان دونوں میں باہمی نسبت و تعلق اس قسم کا ہے کہ اگر کسی ایک سے غفلت برتی گئی تو نتیجہ ہلاکت و بربادی کی شکل میں ظاہر ہونا یقینی ہے، یعنی اگر کائناتی تصرفات کی طرف زیادہ توجہ رہی اور اس کے ساتھ بلند تصورات و اخلاقی اقدار کی تنظیم نہ ہو سکی تو کچھ دنوں کے بعد تہذیب خودکشی پر مجبور ہوگی، اسی طرح اگر صرف بلند تصورات و اخلاقی اقدار کی طرف رہی اور اس کے ساتھ تصرفات کا ارتقائی سلسلہ نہ جاری رہ سکا تو دنیا میں قیام و بقا خطرہ میں پڑ جائے گا۔

اس لیے دونوں میں نسبت و تعلق برقرار رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کے ذریعہ ہدایات و رہنمائی کا مستقل سلسلہ جاری رکھا، ایک میدان (خود کی ذات) سے متعلق تفصیلی ہدایات آتی رہیں، اور دوسرے (کائنات) میں مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفا کیا جاتا رہا،

کائنات کے مقابلہ میں انسان کی زندگی زیادہ پُرپیچ ہے، اور معاملہ خود اس کی ذات کا ہے جس میں اسکی توانائیاں کام نہیں دیتیں، اس بنا پر انسان کے لیے تفصیلی رہنمائی اور واضح احکام کی ضرورت تھی،

بخلاف کائنات کے کہ خود انسان اس کا قائد و حاکم ہے، اور کائناتی تصرفات انسان ہی کی غیر محدود خواہشوں اور ضرورتوں کی پیداوار ہیں، اس بنا پر اس کیلئے نہ تفصیلی رہنمائی کی ضرورت تھی اور نہ یہ رہنمائی تغیر پذیر اور نوع بنوع انقلابات کا ساتھ دے سکتی ہے،

اسی فرق کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان سے متعلق تفصیلی ہدایات کا تسلسل قائم کیا اور کائنات سے متعلق صرف مرکز و بنیاد متعین کرنے پر اکتفا کیا،

یا علیہم السلام تعلیم و تربیت کے ذریعہ اول (انسان) کے بارے میں سیرت سازی
کرتے رہے اور معجزات کے ذریعہ ثانی (کائنات) کے بارے میں تصرفات
عقل و تجربہ کی رہنمائی پر اعتماد کیا۔

رکا آغاز
سے ہوا ہے

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارتقائے انسانیت کی آخری منزل
پر تھے، اور آپ کو معراج کمال کا فیضان تکمیل انسانیت کی
پر ہوا، اس بنا پر لازمی طور سے آپ کی تفہیمات و تعلیمات زیادہ جامع اور مکمل ہیں،
حکیم میں ایک طرف انسانی ہدایت کے تفصیلی احکام موجود ہیں اور احادیث
صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت محفوظ ہے، تو دوسری طرف کائناتی تصرفات
حکیم میں جا بجا حقائق موجودات، محاسن کائنات، مناظر قدرت، مظاہر فطرت
وغیرہ کا ذکر موجود ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے معجزات
ہ دور میں ہونے والے اکتشافات اور ترقیوں کی جانب بھی اشارہ کر دیا ہے،

ل ان المعجزات تقدما بما توتقی فیہ الخلیقۃ فی مدی

اور جامعیت کو دیکھکر بعض اجتماعی ماہرین نے اعتراف کیا ہے کہ سائنٹفک دور
صدی عیسوی سے نہیں بلکہ چھٹی صدی عیسوی (زمانہ نزول قرآن) سے ہوا ہے،
یب کی بدقسمتی یہ ہے کہ اس نے کائناتی تصرفات (تشکیلی مراحل) میں تو معراج کمال
استفادہ کیا لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر سیرت سازی (نفسیاتی تکوین)
) میں وہ استفادہ سے محروم رہی جس کی بنا پر اس کی زندگی خود زندگی سے
کا تمدن خود تمدن کا دشمن بنا ہوا ہے۔

انسانی کی معرفت کا طریقہ

عارفین نے مقام انسانی کی معرفت دوسرے طریقہ سے بیان کی ہے

جو مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع اور دلچسپ ہے۔

وہ یہ کہ انسان کے معنوی وجود میں قلب ایک ایسا مقام ہے جس میں اللہ کی معرفت
کا موتی ٹکا ہوا ہے، اس کا تعلق جسمانی قلب سے ایسا ہی ہے جیسا کہ ظرف کا مظروف سے
اور مکان کا مکین سے ہوتا ہے (تفصیلی بحث آگے آرہی ہے)۔

یہ قلب ہی نورانی توانائی کا مرکز، جوہر محبت کا مسکن، ایمان و شعور کا محل اور شرف
و امتیاز کا مقام ہے جس کی بدولت انسان حاصل وجود اور خلق و تکوین کا مقصود ٹھہرا اور
جس نے اس کو نیابت و قیادت کے خلعت فاخرہ سے نوازا۔

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ فرماتے ہیں:

موجودات بسیار بودند و مصنوعات	موجودات و مصنوعات بےشمار تھے لیکن کسی
بےشمار لیکن با ہیچ موجودے این کار نبود	مخلوق کے ساتھ وہ معاملہ نہ تھا جو اس مٹی اور پانی
کہ آب و گل چوں رب العزت خواست	کے مجموعہ (انسان) کے ساتھ ہوا جب اللہ
کہ نقطۂ خاک را لباس وجود بپوشاند	کو منظور ہوا کہ اس خاکی پتلے کو وجود کا لباس
و بر سر بر خلافت بنشاند۔ ملائکہ	پہنائے اور خلافت کے تخت پر بٹھائے تو ملائکہ
ملکوت گفتند "اتجعل فیہا من یفسد فیہا"	نے عرض کیا، "آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق کو
لطف قدیم جواب داد "لیس فی الحب	خلیفہ بنانا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کرے گی"
مشورۃ"، عشق و تدبیر بہم جمع نشوند	"لطف قدیم" نے جواب دیا کہ محبت میں مشورہ
تسبیح و تہلیل شما را چہ خطر اگر قبول ما نبود	نہیں ہوتا اور عشق و تدبیر جمع نہیں ہوتے
و ایشاں را از گناہ چہ ضرر چوں ساقی لطف	اگر ہمیں قبول نہ ہو تو تمہاری تسبیح و تہلیل
ما قدح عفو در دست ایشاں نہد	کی کیا قیمت ہے؟ اور اگر ہمارے لطف و عنایت

شماں می بینید کہ سروکار ایشان با ا... است
در حالت آں نمی بینید سروکار با بایشاں
است در محبت چنانچہ قائلے گفتہ است

کا ساقی عفو و معانی کا پیمانہ انسانوں
کے ہاتھ پر رکھدے توان کو گناہوں سے
کیا نقصان ہوگا ؟ تم یہ تو دیکھتے ہو کہ
معاملات میں وہ ہم سے تعلق رکھتے ہیں لیکن
یہ نہیں دیکھتے ہو کہ محبت میں ہم ان سے
تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہو کہ

اذا الحبیب اتی بذنب واحد
... ات محاسنہ بالف شفیع [1]

جب محبوب سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہو تو اسکے
محاسن ہزار سفارشی کھڑا کردیتے ہیں۔

دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :

... ب وخاک را اندک مشمر ہرچہ دارد
... ب وخاک دارد ہرچہ آمدا است
... ب وخاک آمدہ است و دیگر
... نقش بر دیوار اندآ ور دہ اندکہ
... ں شہباز محبت از آشیانۂ عزت
... رید بعرش رسید عظمت دید درگذ شت
... سی رسید وسعت دید درگذشت
... سمان رسید رفعت دید درگذشت
... ک رسید محنت دید فرود آمد [2]

آب وخاک (انسان) کو کمتر نہ سمجھو جو کچھ
کمالات ہیں وہ اسی کے اندر ہیں اور جو کچھ
دنیا میں ہے وہ اسی کے ساتھ آیا ہو اسکے
علاوہ جو کچھ ہے اسکی حیثیت نقش بردیوار
ہے ، عارفین نے کہا ہو کہ شہباز محبت نے
آشیانۂ عزت سے پرواز کی ، عرش کے پاس
پہنچا عظمت دیکھکر گذر گیا ، کرسی کے پاس پہنچا
وسعت دیکھکر گذر گیا ، آسمان پہنچا ، رفعت
دیکھکر آگے بڑھ گیا ، خاک (انسان) کے پاس

... ی و ہشتم (۳۸) [2] مکتوب پنجاہم (۵۰)

استاذ ابو علی دقاقؒ فرماتے ہیں :۔

و اگر خورشید محبت برجانہائے
آدم و آدمیاں نتافتے کار
آدم چوں موجودات دیگر بودے [1]

اگر آفتاب محبت کی ضیا پاشی آدم
اور اولادِ آدم کے جان و دل پر
نہ ہوتی تو آدم کا معاملہ بھی دوسرے
موجودات کی طرح ہوتا ،

انسان تمام عزوشرف کا مستحق محض قلب کی وجہ سے ہوا۔

عارفین کے نزدیک انسان کا یہ سارا عزو شرف محض قلب
کی وجہ سے ہے ، جس کی قدر ومنزلت کا حال یہ ہے کہ

عرش بیافرید بمقربان داد بہشت
بیافرید برضوان داد و دوزخ
بیافرید بہ مالک داد چوں دل
مومن را بیافرید گفت القلوب
بین اصبعین [2]

اللہ نے عرش پیدا کرکے مقربین کے
سپرد کیا ، بہشت پیدا کرکے رضوان
کے حوالہ کیا ، دوزخ پیدا کرکے مالک
کی نگرانی میں دیدیا لیکن جب مومن
کا دل پیدا کیا تو فرمایا کہ " دل تو رحمن
کی دو انگلیوں کے درمیان ہے "۔

دوسری جگہ ہے :

ہیچ چیز عزیز تر از دل بودے در
معرفت خویش انجا نہادے ، [3]

اگر دل سے زیادہ کوئی شے محبوب ہوتی
تو اپنی معرفت وہیں رکھ دیتا ۔

حدیث قدسی ہے :

لا یسعنی سمائی ولا ارضی

میری سمائی نہ میرے آسمان میں ہو سکتی ہو

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶) [2] مکتوب چہل وسوم (۴۳) [3] مکتوب سی و ہشتم (۳۸)

لب عبدی — اور نہ میری زمین میں لیکن مومن بندہ کے

دل میں میری سمائی ہوتی ہے ۔

یث میں ہے :

قلب مومن — میری سمائی بجز قلب مومن کے اور

کہیں نہیں ہو سکتی

اس مفہوم کو دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ قلب میں ایک جوہر (موتی) پیوست ہے جو اس قدر ارفع و اعلیٰ اور ماورائے
لوق تو اس کا کیا تصور کر سکتی ہے، ماورائی مخلوق بھی تصور

مسجود ملک کردہ — اے بھائی! تجھکو فرشتوں کا مسجود

گردانیدہ — اور افلاک کا محسود بنانا بہت بڑا

م است ہر آئینہ — کارنامہ ہے، انسان اپنے خاکی وجود

معنی منور و مقدس — میں کتنا ہی مکدر ہو، لیکن معنوی وجود

ی و اوہام بشری — میں وہ اس قدر منور و مقدس ہے

ی عاجز و قاصر اند — کہ ملکوتی اسرار اور بشری اوہام

طلوع نماید ملک — اس کی حقیقت دریافت کرنے سے

سرگرداں — عاجز ہیں، جب اس معنی کی شعاع

واین را تماشع — ضوفگن ہوتی ہے تو ملائکہ حیران

د واز و احبات — اور آسمان سرگرداں ہوتے ہیں

باشد ۔[1] — وہ تواضع اختیار کرتے اور ان

ہیبت طاری ہو جاتی ہے ۔

مغربی تہذیب میں عملاً اس عجز و قصور کا اعتراف موجود ہے کہ انسان کی نفسی ساخت پر اس قدر تحقیق ہونے کے باوجود اب تک معنوی وجود اور اس کے قلب کا سراغ نہ لگ سکا اس کے نزدیک قلب محض ایک پمپ ہے جو جسم کو خون پہنچانے کا فرض انجام دیتا ہے، حالانکہ مذکورہ تصریحات سے ظاہر ہے کہ قلب حیات انسانی کا سرچشمہ اور جوہری توانائی کا مرکز ہے، اور زندگی اور تہذیب کے ہر گوشہ میں اسی کی کارفرمائی ہوتی ہے ۔

[1] مکتوب پنجاہ و ہشتم (۵۸)

فلسفیانہ کتابوں کا سٹ

نام کتاب	ضخامت	قیمت	نام کتاب	ضخامت	قیمت
برکلے اور اس کا فلسفہ	۱۳۴	۲۵/عہ	مبادی علم انسانی	۱۶۰	سے/
مکالمات برکلے	۱۶۲	سے/	فہم انسانی	۱۸۳	سے/
افکار عصریہ	۲۶۲	صہ/	آل و مشیت	۹۰	۵۰/عہ
حکمائے اسلام اول	۵۰۴	عہ/	طبقات الامم	۱۵۸	سے/
حکمائے اسلام دوم	۳۵۱	معہ/	انقلاب الامم	۱۸۸	للعہ/

نوٹ :- پورے سٹ کے خریدار کو ۲۵ فیصدی کمیشن، ۱۰۰ سے ۵۰۰ تک کے تاجر کو ۳۰ فیصدی کمیشن، ۵۰۰ سے اوپر تک کے تاجر کو ۳۳ فیصدی کمیشن دیا جائیگا ۔

منیجر

"قومی یکجہتی اور اتحادِ مذاہب"[*]

از

ناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب انصاری شعبۂ عربی و فارسی و اسلامیات وشوا بھارتی شانتی نکیتن

ی یک جہتی اور وحدت ادیان کی تحریک میں بڑی افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے،
ال میں صحیح نقطۂ نظر سے اس پر بحث کی گئی ہے اور بڑی حد تک اعتدال و توازن
لیا گیا ہے، اس لیے عام فائدہ کے لیے اس کو شائع کیا جاتا ہے۔ "م"

رت ہے کہ قومی یک جہتی کونسل کی بھاگلپور یونیورسٹی کی شاخ نے اپنے زیر اہتمام
ضوع پر اظہار خیال کا موقع دیا ہے، اس سیمینار کے کارکنان ہمارے دلی مبارکباد
ھوں نے مختلف مذاہب کے لوگوں کو آپس کی مشترک باتوں کی کھوج لگانے کی طرف
مجھے یقین ہے کہ اس سے ہمارے اندر اپنی مشترک چیزوں کا شعور بیدار ہوگا اور ہم قومی یکجہتی کے
آئیں گے۔ ذاتی طور پر میں اس سیمینار میں شرکت کو اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں
، کنان سیمینار کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں۔

قالہ چند مسائل تک محدود کرنا چاہتا ہوں، اول میں اس بات کی کوشش کرونگا
ہنے ہاں کے مختلف مذاہب میں جو باتیں مشترک ہیں، ان کو پیش کروں، پھر میں اس مسئلہ
ہوں کہ مشترک باتیں کس حد تک قومی یکجہتی، پرامن زندگی، خوش حال سماج اور

[*] ...یونیورسٹی کی قومی یکجہتی کمیٹی کے ایک سیمینار منعقدہ ۱۴؍ اور ۱۵؍ اگست کے ایک اجلاس میں

روحانی اعتبار سے ہندوستان ملک کی تعمیر کے لیے بنیاد بن سکتی ہیں، اور آخر میں میں اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں کہ ان مشترک باتوں اور ان مقاصد کے سلسلے میں اسلام کا رجحان کیا ہے، اور اسلام انکے حاصل کرنے اور ان کو قوی بنانے کے لیے کیا کچھ کر سکتا ہے۔

ہم اگر ہندوستان کے مذہبوں کا معروضی مطالعہ کریں، اور پہلے سے سوچے ہوئے فلسفوں اور نظریات سے اور اپنے محبوب اور پسندیدہ رجحانات سے بلند ہو کر صرف اس مقصد سے ان پر نظر ڈالیں کہ ان کے درمیان کیا باتیں واقعۃً مشترک ہیں تو پہلی بات ہمیں یہ نظر آئے گی کہ ہمارے سارے مذاہب انسانی زندگی کی چند عام اور بنیادی قدروں پر متفق ہیں، سچائی، انصاف، پاس عہد، امانت، کو سب تعریف کا مستحق سمجھتے ہیں، جھوٹ، ظلم، بدعہدی اور خیانت کو سب برا کہتے ہیں، ہمدردی، رحم، فیاضی اور فراخدلی کی سب قدر کرتے ہیں، خود غرضی، سنگ دلی، بخل اور تنگ نظری کو سب حقیر سمجھتے ہیں، صبر و تحمل، ضبط نفس نرمی اور شائستگی سب کے نزدیک خوبیاں ہیں، چھچھوراپن، بندگیِ نفس، درشتی اور کج خلقی، سب کے یہاں برائیاں ہیں، فرض شناسی، وفاشعاری، مستعدی اور احساسِ ذمہ داری کی سب عزت کرتے ہیں، نا فرض شناسی، بے وفائی، کام چوری اور غیر ذمہ داری کو سب بری نگاہ سے دیکھتے ہیں،

اسی طرح سماجی زندگی کے لیے نظم و ضبط، ڈسپلن، تعاون، امداد باہمی، آپس کی محبت خیر خواہی اور اجتماعی انصاف کو سبھی ضروری قرار دیتے ہیں، تفرقہ، انتشار، بدنظمی، نااتفاقی آپس کی بدخواہی، ظلم اور ناہمواری کو سب نقصان دہ اور مہلک مانتے ہیں، چوری، زنا، قتل، ڈاکہ، جعل سازی، رشوت خوری سبھی کے نزدیک گناہ ہیں، بدزبانی، مردم آزاری، غیبت، چغل خوری، حسد، بہتان تراشی اور فساد انگیزی سب کے یہاں پاپ ہیں، والدین

رشتہ داروں کی امداد، پڑوسیوں سے سلوک، دوستوں سے رفاقت، کمزوروں
یموں اور بیکسوں کی خبرگیری، مریضوں کی تیمارداری اور مصیبت زدوں کی
نیکی کے کام سمجھتے ہیں، پاکدامن، نرم مزاج، خیر اندیش، راست باز اور ایسے
ر اور باطن یکساں ہو، جو اپنے حق پر مطمئن ہوں اور دوسروں کا حق دیتے ہیں
، جو خود شانتی سے رہیں اور دوسروں کو شانتی دیں، جن کی ذات سے ہر ایک کو
ہو، اور کسی کو برائی کا خطرہ نہ ہو، ایسے ہی نیک نفسوں اور مہا پرشوں کا پیدا
کا اول مقصد ہے۔

انسانی زندگی اور انسانی سماج کی عام قدریں ہیں، کسی مذہب کی ان پر
ہیں، یہ ہر مذہب کی یکساں میراث ہیں، ان کے سلسلے میں کوئی مذہب اپنے اور
تا، کوئی مذہب یہ نہیں سکھاتا کہ انصاف، خیرخواہی، ہمدردی اور محبت
کے لوگوں کے ساتھ برتو، اور دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ ظلم، بدخواہی
سے پیش آؤ، اپنے ہی لوگوں کی جان، مال، عزت، آبرو کی حفاظت کرو،
اشتراک و تعاون کا ہاتھ بڑھاؤ، اور دوسرے لوگوں کا مال لوٹ لو، ان کو
ان کی جائدادیں غصب کر لو، انھیں قتل اور بے عزت کر دو۔ کوئی مذہب
نہیں رکھتا۔

دوسروں کے ساتھ سلوک میں اگر کسی معنی میں فرق کیا گیا ہے تو صرف اتنا
کے ساتھ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر برتاؤ، زیادہ ایثار اور احسان
مذہب نے یہ جائز نہیں رکھا ہے کہ اپنوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کیلئے
ا جائے اور ان پر ظلم و زیادتی کی جائے، دوسرے کے ساتھ برائی ہیں

اپنوں کی بھلائی کی کوئی مذہب تعلیم نہیں دیتا۔

ان عام انسانی قدروں میں جو نیکیاں ہیں سارے مذاہب کے نزدیک وہ انسان
کی فضیلت، عظمت اور بزرگی کا معیار ہیں، اور ان میں جو برائیاں ہیں وہ انسان کی
ذلت اور پستی کی نشانی ہیں، پوجا پاٹ، یا نماز، روزوں کی کثرت، گنگا اشنانوں، یاتراؤں
زیارتوں اور حجوں سے نہ ان نیکیوں کی کمی پوری ہوسکتی ہے اور نہ ان برائیوں کی
ذلت دور ہوسکتی ہے، یہ ہر مذہب کا عقیدہ ہے،

ان بھلائیوں کا کرنا ہر مذہب میں بڑے ثواب اور پُن کا کام مانا گیا ہے، اور
ان برائیوں کا ارتکاب کرنا ہر دھرم میں مہاپاپ اور گناہ کبیرہ تسلیم کیا گیا ہے، مکتی اور
نجات کے تصور میں مذاہب کے درمیان اختلاف ہے لیکن اس باب میں کسی کا اختلاف
نہیں کہ ان نیک کاموں کے انجام دیے بغیر اور ان برے کاموں سے دامن بچائے بغیر
مکتی نصیب ہوسکتی ہے، نجات کے لیے دوسری ضروری باتوں میں چاہے جس قدر اختلاف ہو
کم از کم ان عام انسانی قدروں کے ضروری ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے،

ہر مذہب کی تعلیم ہے کہ ان عام بھلائیوں کو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ انجام دیا جائے
اور ان عام برائیوں سے سچے دل سے توبہ کی جائے، دکھاوے اور نمائش کا جذبہ، یا کسی
چیز کی لالچ، یا کسی نقصان کا اندیشہ، ہماری راست روی اور حسن سلوک کا محرک نہ ہو،
ہم نیکی کو نیکی کی خاطر یا خدا کی محبت اور رضا جوئی کے جذبہ سے کریں، اور برائی کو برائی سمجھکر
اور خدا کی ناخوشی کا خیال کر کے اس سے باز رہیں،

ہر انسان کی ذاتی زندگی کی سدھار اور سماج کی بناؤ اور تعمیر کی تفصیلات میں مذاہب
کے درمیان اختلافات ہیں، مگر جو ذاتی اور سماجی خوبیاں یا خرابیاں اوپر بیان کیگئی ہیں

ں مذاہب کے درمیان ہرگز وورائے نہیں ہے، افراد انسانی کا تزکیہ ہو یا سماج
دوں کو پیدا کرنا اور ان برائیوں سے بچنا ہر مذہب کے نزدیک ضروری ہے،
کوئی اصلاح اور کوئی تعمیر، اور کوئی بھلا منصوبہ اور اچھا پروگرام انکے
یں پاسکتا، ہر مذہب کے نزدیک یہ قدریں بنیادی اور اہم (essential)
غیر ضروری، غیر اہم اور سطحی نہیں کہتا۔

رمیان پوجاپاٹ، پرستش وعبادت، ذکر وفکر، ریاضت اور ضبط نفس کے
قاصد میں فرق ہے، لیکن اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ ان سارے طریقوں
ر اعمال کے مختلف مقاصد میں سے ایک بڑا اور اہم مقصد یہ ہے کہ انسان کے
یار وارادہ کی ایسی تربیت ہوجائے کہ انسانیت کی عام نیکیاں اس کو محبوب
ں سے بے اختیار سرزد ہونے لگیں، اور انسانیت کی عام برائیوں کے خلاف
رت پیدا ہوجائے اور وہ ان سے طبیعت کے تقاضا کے طور پر دور رہنے
ے اس کو خوشی اور مسرت محسوس ہو، اور اگر غلطی سے کوئی برائی کر بیٹھے تو

ہو۔

ت، حسن خلق، احسان، ایثار وخدمت کے بارے میں یہ تو اختلاف مذاہب کے
نتہائی اور آخری قدریں ہیں، یا ان سے بلند تر کچھ دوسری قدریں بھی ہیں، اگر
ں اس بات میں کسی مذہب کو اختلاف نہیں کہ انسانیت کی تکمیل ان قدروں
، عبادتیں اور ریاضتیں جتنی چاہیں کرلیں، ہزاروں بار جاپ کرلیں، ہم دن
ں لگے رہیں، لیکن اگر ہم ان عام انسانی قدروں میں کوتاہ ہوں گے تو ہم ہر مذہب
روحانیت کے معیار سے ناقص اور ادھورے ہی رہیں گے۔

انسانیت کی یہ عام قدریں اور ان کے بنیادی تقاضے ہر مذہب میں مشترک ہیں، انکے
علاوہ مذاہب میں جو باتیں مشترک ہیں وہ صوری (Formal) اور منفی (Negative)
زیادہ ہیں۔ معنوی (Material) اور مثبت (Positive) کم۔ اس بات کی کسی قدر
وضاحت ضروری ہے،

ہر مذہب میں یہ احساس مشترک ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت اور یہ وجود انسانی صرف
طبعی علوم کا موضوع نہیں ہے، کچھ اور حقیقتیں بھی ہیں جو ان کی گرفت میں نہیں آتیں، یہ نظام
ہست وبود خود مکتفی (self) نہیں ہے، اس منفی احساس میں ہر مذہب
شریک ہے، لیکن جب یہ مثبت سوال اٹھتا ہے کہ وہ غیر طبعی حقیقت کیا ہے، ایک ہے یا
متعدد، کن صفات کی حامل ہے، کائنات اور انسان سے اس کا کیا تعلق ہے، تو ان جیسے
اہم مسائل کے بارے میں ہر مذہب کی راہ جدا ہوجاتی ہے،

اسلام، مسیحیت اور یہودیت کے نزدیک کائنات حقیقی وجود رکھتی ہے، ایک ہی
ذات ہے جس نے اس کی تخلیق کی ہے، وہ شعور، علم، قدرت، اختیار وارادہ کی مالک ہے،
وہی اس کائنات کی منتظم، مدبر اور حکمراں ہے، انسان روح اور جسم کا ایک انوکھا مرکب ہے،
وہ اپنے خالق کی طرح علم، قدرت، اختیار وارادہ کا مالک ہے، لیکن اس یکسانیت کے
باوجود وہ محض ایک مخلوق اور بندہ ہے، خدائی میں شریک نہیں۔ اپنے وجود، اختیار اور عمل
میں خدا کا محتاج ہے اور اس کے حکم کا پابند۔ اسکی بلند ترین سعادت خدا کی اطاعت اور محبت ہے۔

زردشت توحید کے قائل تھے، مگر ان کے مذہب میں دھیرے دھیرے تغیرات شروع
ہوئے اور آج ان کے پیرو خیر وشر، نور وظلمت کے دو متوازی اور مستقل تصورات پر یقین رکھتے
ہیں، اور کائنات اور انسانی تاریخ کو ان ہی دونوں قوتوں کی آویزش کا نتیجہ کہتے ہیں۔

...ف روح (Jiva) کو ایک مستقل، ازلی اور ابدی حقیقت سمجھتا ہے،
...ے لا روح (A Jiva) سے ملوث ہوکر زندگی کے ایک لامتناہی
...تی ہے، یہ کائنات اور اس کا ہر وجود چاہے وہ بظاہر کتنا ہی بے حس
...ح ہی کی مختلف ارتقائی اور انحطاطی حالتوں کا نام ہے. روح ایک
...ا اور لاتعداد روحیں ہیں، ان سے الگ کوئی وجود نہیں اور ان کی
...تہ حالت سے بلند تر کوئی حقیقت نہیں ۔

...ی حقیقت لازوال نہیں ہے، شعور انسانی لمحاتی شعوروں کے پے بہ پے
...تناہی سلسلہ ہے، اگر حقیقت کوئی شے ہے تو اس کے سوا کچھ اور نہیں
...اع انسانی کوششوں کی وہ آخری عنایت ہے جسے نروان کہتے ہیں ۔

...ی ایک متعین فکر نہیں ہے، اس میں توحید بھی ہے، ثنویت بھی ہے، کثرت
...گر غالباً یہ بات زیادہ صحیح ہوگی کہ بحیثیت مجموعی ہندوازم میں ایک خدائے اعظم
...گرچہ خدائی اس کے لیے مخصوص نہیں سمجھی گئی، ہندوازم نے خدا اور
...ں خدائی عنصر مشترک سمجھا ہے، خالق اور مخلوق کا وہ تصور جو اسلام،
...ت میں مشترک ہے، وہ ہندوازم کا تصور نہیں ہے، یہاں خدا کو ایک
...ہے، اور پوری کائنات اور ہر انسان کو اس لامتناہی وجود کا ایک متعین
...یا گیا ہے. انسان کی سب سے اونچی منزل اسی وحدت کا شعوری عرفان

...میان حقیقت، کائنات اور انسان کے بارے میں یہ اصولی اختلافات
...اہم، کیونکہ اس بنیادی اختلاف کا اثر ان کے پورے نظام پر بحیثیت

مجموعی اور اس کی تمام تفصیلات پر علیحدہ علیحدہ مرتب ہوتا ہے، مذاہب کی مثال مختلف قسم کے درختوں کی ہے، اگرچہ سارے درخت اس اعتبار سے ایک ہیں کہ ان میں سے ہر ایک جڑ تنا، شاخوں، پتیوں، پھولوں اور پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے، لیکن اس صوری (Formal) اتحاد کے بعد ان میں سے ہر ایک دوسرے سے جدا ہے، بیج سے لیکر جڑوں کی ترتیب، تنے کی ساخت، شاخوں کا انداز، پھولوں کا رنگ اور پھلوں کا مزہ، غرضیکہ ہر چیز میں فرق اور اختلاف ہے۔

اس اختلاف کی ایک ادنی مثال پوجا، عبادت، ذکر و فکر، دعا اور استمداد کے طریقے ہیں، جن کے ذریعہ اہل مذاہب اپنے اپنے مذہب کے اعلیٰ حقائق سے تعلق قائم کرتے ہیں، جن مذاہب میں سب سے بڑی حقیقت ایک غیر شخصی وجود ہے، اور انسان سے اس کا تعلق ایک لامتناہی (Infinite) حقیقت اور اس کے متناہی (Finite) تعین کا ہے ان میں تفکر (Contemplation) کو مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے، جن مذاہب میں خدا کا تصور شخصی ہے اور انسان سے اس کا تعلق شخصی نوعیت کا ہے ان میں پوجا، پرستش، ذکر اور دعا اہم ترین عبادات ہیں، ان میں خدا کے ارادہ پر سر تسلیم خم کرنا اور اس کا حکم بجا لانا، اس کی مرضی پوری کرنا حاصل زندگی ہے۔

اسی طرح جن مذاہب میں انسان کی روح کو ایک مادی جسم میں مقید سمجھا گیا ہے، اور دونوں میں تضاد کو بنیادی حقیقت قرار دیا گیا ہے، ان میں ترک دنیا، زہد اور شدید جسمانی ریاضتوں کو لازمی ٹھہرایا گیا ہے، اور جن میں روح اور جسم کے تعاون کو بنیادی حقیقت سمجھا گیا ہے، ان میں صبر و ضبط کے ساتھ ساتھ تمتع اور تشکر کی بھی تعلیم دی گئی ہے، اور دنیا کو برتنے کی چیز اور اس زندگی کو ساری قوتوں کے بروئے کار لانے اور انکی آزمائش

یا گیا ہے۔

رمیان اختلاف، نظریات اور عقائد، عبادات اور تزکیۂ نفس کے طریقوں
یں ہی، بلکہ اخلاق اور دوسری قدروں میں بھی اختلاف ہے، عام انسانی
راک اور اتحاد کے بعد جس کی تشریح پہلے کی گئی ہے، اختلاف کا دائرہ شروع
دوں کے بنیادی تصور، زندگی کی اسکیم میں ان کا مقام، دو طرح کی قدروں
جمالیاتی قدروں کی باہمی اہمیت، ایک ہی طرح کی قدروں مثلاً اخلاقی
ہر ہر قدر کی اہمیت اور قیمت، ان میں ٹکراؤ کے وقت ترجیح کے اصول
صول کے طریقے، اور ان طریقوں میں فرد اور معاشرہ کا رول، یہ اہم
ں مذاہب کے درمیان بے حد اختلاف ہے، مثلاً ایک کے نزدیک اہنسا
ئی قدر بلکہ عقیدہ ہے، دوسرے کے نزدیک یہ دوسری قدروں کی طرح
ہے، ایک کے نزدیک برہنگی ترکِ دنیا کی تکمیل اور ضبطِ نفس کا آئیڈیل ہو،
یک ایک ناپسندیدہ فعل۔

ریات، عقائد، اور قدروں میں اختلاف کی وجہ سے مذاہب کے مذہبی اد
اختلافات ہیں وہ اور بھی زیادہ نمایاں ہیں، یہ اختلافات اس قدر واضح
ں محسوس کرتا ہے۔ اس وجہ سے ان کی تشریح میں وقت صرف کرنا غیر ضروری

تلافات کی اور پرستا مذہبی کی ہی بعض لوگ ان کو حقیقی نہیں سمجھتے، صرف ہماری
نظری کا نتیجہ بتاتے ہیں، پھر جن اختلافات کو وہ تسلیم کرتے ہیں ان کو جزئی اور
(Unessential and Un-important) کہکر ان کی اہمیت گھٹاتے ہیں۔

میں ان حضرات کے اخلاص کا معترف ہوں لیکن مجھے ان کی رائے سے اخلاص اور
سچائی کی بنیاد پر ہی اختلاف ہے، میں مذاہب کے درمیان جس کی یکسانیت، اشتراک اور اتحاد
کی وضاحت کر چکا ہوں، اس سے زیادہ اتحاد کی چیز نہیں پاتا، پھر صراحت کے ساتھ
یہ بھی کہدینا ضروری ہے کہ میں جس حد تک اشتراک اور اتحاد پاتا ہوں اس کو واقعی حقیقی
اور اہم (Essential) سمجھتا ہوں، میرے نزدیک اتحاد کا یہ پہلو سطحی اور غیر اہم نہیں ہے،
مگر میرے خیال میں یہی پہلو تنہا ساری قدر و قیمت کا حامل بھی نہیں ہے، دوسرے پہلو بھی
اسی کی طرح اہم ہیں، دوسرے الفاظ میں میں مذاہب کے درمیان ایک اہم پہلو میں
اشتراک اور اتحاد کا قائل ہوں لیکن جن امور میں اختلاف واقعۃً ہے، ان سارے امور
کو غیر اہم بھی نہیں سمجھتا [illegible] نہ انکے درمیان اختلاف کو ظاہر بینی اور کوتاہ نظری کا نتیجہ قرار دیتا ہوں، میرے
نزدیک اہم اور غیر اہم، بنیادی اور سطحی کا جو معیار ہے وہ معروضی ہے کوئی ذاتی کا نظریہ نہیں ہے، میں ہر مذہب
کی ہر اس بات کو اہم اور بنیادی کہنے کیلئے تیار ہوں جسکو اسکے مذہب کے ماننے والے اہم اور بنیادی سمجھیں
چاہے میرے مذہب میں وہ اہم نہ ہو، اور ہر اس بات کو غیر اہم تسلیم کرتا ہوں جس کو اس کے ماننے والے غیر اہم
اور جزئی کہیں، خواہ وہ میرے مذہب کے اندر اہم ہی کیوں نہ ہو۔

آنجہانی ڈاکٹر بھگوان داس نے اپنی کتاب The Essential Unity
(of all religions) میں یہ نظریہ اختیار کیا ہے کہ سارے مذاہب نہ صرف بنیادی
انسانی قدروں میں متحد ہیں، بلکہ بنیادی نظریہ، عقیدہ، عبادت، اخلاق اور بنیادی
سماجی اصولوں میں بھی متحد ہیں، ان کے درمیان جو اختلافات ہیں ان کا تعلق بنیادی اور
اہم چیزوں سے نہیں ہے، بلکہ صرف غیر اہم باتوں اور جزئی تفصیلات سے ہے، ایک بنیادی
مذہب ہے جو قدیم اور دائمی ہے، وہ سارے مذاہب کا مشترک جز ہے، باقی اجزاء عارضی

سارے مذاہب کو اپنے غیر اہم، جزئی، اور عارضی اختلافات کو بھلا کر اس مشترک
ی مذہب پر جمع ہو جانا چاہیے، اور اسی متحدہ بنیاد پر زندگی کی از سر نو تعمیر
۔

م، دائمی اور مشترک مذہب کی جو وضاحت انھوں نے کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے
در اصل ایک عظیم غیر شخصی وجود کا مظہر ہے، ساری چیزیں اور تمام انسان اسی لامتناہی
وجود کے متناہی اور محدود تعینات ہیں، انسان کی ساری جد و جہد کی آخری
سی اور جزئی وجود کو اس غیر شخصی اور کلی وجود میں ضم کر دینا اور اس سے مل کر
ود ہو جانا ہے جس طرح قطرہ دریا میں فنا ہو کر بے کراں ہو جاتا ہے، اس میں
ہے، اور صرف اسی اصول پر دنیا میں انسان کی سدھار اور سماج کی تعمیر ممکن ہے'
ریک فلسفہ کی حیثیت سے یا انسانی زندگی کی تعمیر کے نقطہ نظر سے یا مذاہب کے
عنصر کی توجیہ کے اعتبار سے کیا اہمیت رکھتا ہے، یہ سوال الگ ہے، اس سلسلے میں مختلف
لیکن میرے خیال میں مذاہب کا معروضی مطالعہ اگر سامنے ہو تو اس نظریہ کی
ہو سکتا ہے کہ یہ نظریہ چند مذاہب پر صادق آئے، لیکن بہت سے مذاہب پر
آئے گا، مثال کے طور پر اسلام میں خدا کا تصور ایک شخصی وجود کا ہے، خدا
درمیان تعلق ایک آقا اور بندہ کا شخصی تعلق ہے، اسلام میں انسان کی
اپنے جزئی وجود کو فنا کر کے خدا میں مل جانا نہیں بلکہ اس کے حکم کی اطاعت
عانہ رضا جوئی کے طریقے سے اس کی معیت اور قربت میں اپنے انفرادی وجود
، آنجہانی ڈاکٹر بھگوان داس نے اسلام کا مطالعہ کرتے وقت مسلم صوفیا کے
ده کو حقیقی اسلام کا نمائندہ سمجھ لیا ہے، اگر وہ پورے اسلامی تصوف ہی کا

بذات خود مطالعہ کر سکتے تو وہ اس فکر کو اسلام کا فکر ثابت کرنے سے پرہیز کرتے، اور اگر وہ
براہ راست قرآن اور رسول کی سنت کی ورق گردانی کرتے تو یقیناً اپنی رائے میں ترمیم کر لیتے۔
اپنشد کے فلسفہ میں یقین رکھنا اور اس کی برتری کا قائل ہونا ایک الگ بات ہے،
اس کا اختیار ہر شخص کو پہنچتا ہے، لیکن اس کو ہر مذہب کا واقعی فکر ثابت کرنا دوسری بات ہے۔
میرے خیال میں مذاہب کے معروضی مطالعہ سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی کہ یہ فکر ہر مذہب کا
مشترک فکر ہے، ہر مذہب تو کجا، ہندوستان میں بسنے والے سارے مذاہب مثلاً بدھزم
اور جینزم کا بھی فکر وہ نہیں ہے جو اپنشدوں کا ہے۔

مذاہب کے درمیان فکری اتحاد کی تلاش کا ایک مظہر الیف شوون (Faith of
Schuon) کی کتاب (The Tr... cendental unity of religions) ہے۔
شوون کا خیال ہے کہ صداقتیں دو طرح کی ہیں، مابعد الطبیعاتی اور مذہبی۔ مابعد الطبیعاتی صداقت
(Metaphysical Truth) ایک ہے اور مذہبی صداقتیں (Religious Truths)
بہت سی ہیں لیکن یہ سب اسی مابعد الطبیعاتی صداقت کے مختلف مظاہر اور مختلف شکلیں ہیں۔
یہ مابعد الطبیعاتی صداقت ایک پراسرار اور ناقابل بیان شے ہے، سوال یہ ہے کہ اگر یہ بلند صداقت ایک
سربستہ راز ہے تو پھر یہ کیونکر معلوم ہوا کہ وہ ایک ہی ہے، اور یہ کیسے پتہ چلا کہ سارے مذاہب اسکی ظاہری شکلیں ہیں؟
مذاہب کے درمیان نظریاتی اتحاد تلاش کرنے کی اور دوسری کوششوں کا ذکر بے فائدہ
ہے، اور اس مختصر مقالہ میں اس کی گنجائش بھی نہیں ہے، مذاہب میں یکسانیت اور اتحاد عام
انسانی قدروں کے حدود میں ہے اور یقیناً ہے، اور یہ اتحاد (Unity)
ضروری اور اہم (Essential) ہے، اس حد سے آگے اتحاد کی طلب کا کوئی حاصل نہیں۔

(۲)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس حد سے آگے اتحاد کی ضرورت کیا ہے؟ کیا اس حد میں

مختلف مذاہب کے لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنے، ساتھ رہنے، امن و
گذارنے، ایک دوسرے سے محبت اور اخلاص سے پیش آنے، ایک دوسرے
ت، رحمدلی اور ایثار کا سلوک کرنے، ایک دوسرے کی مذہبی روایتوں،
اور نازک احساسات کا احترام کرنے اور مل جل کر ایک خوش حال
اور اخلاقی اور روحانی اعتبار سے بلند سماج کی تعمیر کیلئے کافی نہیں ہو،
لک میں قومی اتحاد اور یکجہتی ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے، زبانوں، ذاتوں
وں کی کثرت کے ساتھ مذہبوں کی کثرت کو بھی اس اتحاد اور یکجہتی کی راہ
تا ہے، یہاں دوسرے اسباب سے بحث نہیں ہے، ہماری توجہ صرف
ت اور قومی یکجہتی اور اتحاد سے اس کے تعلق تک محدود رہے گی۔
ل میں مذاہب کی کثرت بذاتہ اتحاد اور اتفاق کی راہ میں رکاوٹ نہیں
ے رجحانات، مقاصد اور خیالات اس راہ میں رکاوٹ ہیں، جن کا کوئی
ہب سے نہیں ہے، بلکہ وہ ہر مذہب کی بنیادی تعلیمات کی ضد اور مخالف ہیں
صرف اپنے چھوٹے اور حقیر ذاتی اور گروہی مقاصد کے لیے اپنا لیا ہے۔
اگر وہ ان مقاصد کو اپناتا ہے تو دوسرے بھی ان کو دیکھکر اور انکی ضد میں
مقاصد اختیار کر لیتے ہیں، اور پھر ضد اور خود غرضی کا ایک گھناؤنا مکر عمل
ملک اسی چکر اور اس کے برے نتائج کا شکار ہو رہا ہے، اس عمل اور رد
سوچتا کہ وہ جو روش اختیار کرتا ہے وہ خود اس کے مذہب اور اپنی
قدروں سے ہے، وہ کس طرح اپنی ہی قدروں، اپنی ہی روایتوں کو مٹی
دہ اپنے گناہوں اور پاپوں کی موٹی زنجیروں میں کستا اور اپنی نجات اور

کمتی کو مشکل سے مشکل تر بناتا جا رہا ہے۔ اور کس قدر انسانیت اور شرافت سے دور حیوانیت
اور درندگی کی پستیوں میں گرتا جا رہا ہے، اس کے غلط کار اور غلط اندیش لیڈر اپنے مذہب کی
تعلیمات کے برخلاف اس کی غلط رہنمائی کرتے ہیں، اس کا ضمیر اس غلط رہنمائی پر ٹوکتا ہے،
مگر وہ اپنے ضمیر کی آواز کو کچلتا ہوا حقیر اغراض اور چھوٹے مقاصد کے سبز باغوں سے مسحور
ہو جاتا ہے، اور پھر وہ کچھ سوچتا ہے اور وہ کچھ کرتا ہے، جو اس کے اپنے مذہب اور اپنی
اونچی روایات ہی کا نہیں عام انسانی قدروں کا بھی خون ہوتا ہے۔

مختلف مذاہب کے ماننے والوں میں افتراق اور نااتفاقی کے کچھ اسباب یہ ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے بعض لوگ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہندوستان ایک
مذہب کے ماننے والوں کا نہیں، سارے مذاہب کے ماننے والوں کا ملک ہے، جو یہاں سیکڑوں
اور ہزاروں سال سے رہتے ہیں، یہ لوگ اس ملک کو اپنی میراث سمجھتے ہیں اور دوسروں
کو بدیسی کہتے ہیں، اور ان کے مذہب کو اپنے مذہب کے برابر تسلیم نہیں کرتے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کی باتوں کو سچا ماننے اور
ان میں یقین رکھنے، اپنے رسم و رواج، روایتوں، قدروں اور بزرگوں کو بہتر اور برتر
سمجھنے کے معنی غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ دوسروں پر زبردستی اپنے مذہب کی باتوں کو لادا جائے
قوت اور دوسرے غلط طریقوں سے دوسروں کو اپنا ہمنوا بنایا جائے، ان کے مذہبی خیالات
پر پھبتیاں کسی جائے، ان کی بزرگ ہستیوں کا مذاق اڑایا جائے، ان کے رسم و رواج کی بے حرمتی
کی جائے، ان کے جذبات و احساسات کو ٹھیس پہنچائی جائے، حالانکہ ان دونوں باتوں
میں کوئی تعلق نہیں ہے، میں اگر کسی عقیدہ کو صحیح اور دوسرے کو غلط سمجھتا ہوں تو اس سے
یہ نتیجہ کب نکلتا ہے کہ میں دوسرے کو برا بھی کہوں اور اس کا مذاق اڑاؤں، اسی طرح

چیزوں کو صحیح سمجھتا ہوں اور دوسرے کے مذہب کی باتوں کو غلط تو
ہے کہ میں اپنی باتوں کو زبردستی اس سے منواؤں، اور اگر وہ نہ مانے تو
اور اس کو تکلیف پہنچاؤں، میں اگر ایسا کروں گا تو انسانیت جمہوریت
کی اعلیٰ قدروں کا گلا گھونٹوں گا جو انسانی احترام اور محبت کا سبق دیتی ہیں۔
ہے کہ ایک مذہب کا آدمی جس احترام، جس عزت اور جس آزادی رائے
اشاعت و تبلیغ اور جن حقوق کا اپنے کو مستحق سمجھتا ہے، اس احترام
اور حق کا دوسرے مذہب کے آدمی کو حقدار سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا،
سے حاصل کرنا چاہتا ہے مگر دوسروں کو ان کا معمولی حق بھی دینا نہیں
سوچتا کہ اس کا یہ طریقہ اس کے مذہب کی عزت نہیں الٹا اسکی

مذاہب کے لوگوں میں نااتفاقی اور عداوت کے یہی تین بڑے
اج میرے نزدیک یہ ہے کہ

ن کو ہندوؤں، مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں، بدھوں، جینیوں
کے سارے فرقوں کا مالک سمجھیں جو پشتہا پشت سے اسی میں لبتے
، ہم سچے دل سے مانیں کہ سارے مذاہب اور سب کو یکساں

، اپنے رسم و رواج، اپنی قدروں اور اپنی روایات کو زبردستی
ں، دوسروں کے عبادت خانوں، مذہبی بزرگوں، کتابوں، روایتو
وں کا احترام کریں،

دوسروں کے مذہب اور مذہبی امور اور شخصیتوں کے احترام کے یہ معنی ہرگز نہیں ہوتے
کہ ہم اپنے مذہب کی باتوں میں شبہ کریں، نہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم ہر مذہب کو یکساں
حق ماننے لگیں، اور کسی کو کسی کے مقابلہ میں ترجیح نہ دیں اور کسی بات کو صحیح اور کسی کو غلط نہ ٹھہرائیں
ہر انسان کو اپنی باتوں کو صحیح اور دوسرے کی باتوں کو غلط سمجھنے کا حق حاصل ہے، لیکن
کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دوسروں کی چیزوں کی بے عزتی اور بے حرمتی کرے۔

۳۔ ہمیں ہر انسان کا یہ حق سمجھنا چاہیے کہ وہ کسی مذہب میں یقین رکھنے، یا ایک کو
چھوڑ کر دوسرا مذہب اپنانے میں آزاد اور مختار رہے، اس کو اپنے خیالات و نظریات
کو عام اخلاقی ضابطوں اور حدود میں رہتے ہوئے ظاہر کرنے اور اس مقصد کے لیے
نشر و اشاعت کے سارے ذرائع، پریس اور اخبار استعمال کرنے، کتابیں شائع
کرنے، اسکول اور مدرسے قائم کرنے، ہر چیز کا یکساں حق پہنچتا ہے،

۴۔ آخری بات یہ کہ ہم اپنے مذہب کی عام انسانی قدروں کو نہ بھولیں، انکو
اپنے مذہب کا بنیادی اور اہم حصہ سمجھیں، مذہب اور ملت کا فرق کیے بغیر ان کو ہر انسان
کے ساتھ برتنا سیکھیں، ہر انسان کی خدمت اور محبت کو اپنا دھرم جانیں، اور اس کے
ساتھ ظلم و زیادتی کو بہت بڑا گناہ سمجھیں، یہ بات خوب دل میں بٹھا لیں کہ کسی ایک انسان
کو ناحق ستا کر، اس کو جائز حق سے محروم کر کے، اس کی جان، مال، عزت و آبرو کو نقصان
پہنچا کر ہم نہ اپنی خدمت کریں گے، نہ اپنے مذہب کی، اور نہ اپنے ملک کی، حق و انصاف
کے خلاف ہمارا ہر قدم انسانی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی ہر اعتبار سے غلط ہے اور ہماری
نجات کی راہ میں پہاڑ جیسی رکاوٹ۔

مجھے یقین ہے کہ اگر ہر مذہب کے لوگ ان باتوں کی جو ان کے اپنے مذہب کی سچی تعلیمات ہیں،

بنالیں، ان پر خود عمل پیرا ہوں اور اپنے بھائیوں کو عمل کرائیں، تو ہم ایک
قی یافتہ، خوش حال اور بہتر سماج پیدا کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گے، ان
یں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳)

سلام کا تعلق ہے وہ قومی یک جہتی، اتفاق اور اتحاد کی ان ساری باتوں
ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے سارے الہامی مذاہب یکساں احترام کے مستحق ہیں،
ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں، شخصیتوں، کتابوں، رسوم
م کرے، کسی معبد کو نقصان پہنچانا، کسی مذہبی شخصیت کو برا کہنا، کسی دینی
رنا اسلام کی نظر میں گناہ ہے، یہ کام کوئی مسلمان آج کرے یا کسی مسلمان
یا ہو وہ غلط ہے، اور اس کا کرنے والا غلط کار ہے، خواہ اس نے جس
، جو کام اسلام کے اصولوں کے خلاف ہو اس کو اسلام کے نام پر کرنا
خدمت نہیں، بلکہ الٹی اس کی رسوائی ہے، اس باب میں قرآن و سنت
، اور اسلامی قانون میں صریح دفعات موجود ہیں، کسی مسلم بادشاہ
ضی کے فیصلے سے، کسی حاکم کے حکم سے یا کسی مفتی کے فتویٰ سے اس اصول
والی نہیں ہے۔

ان کو اختیار و انتخاب کی آزادی دیتا ہے، ہر مذہب کے لوگوں کو اپنے مذہب
بلیغ کرنے، اس کے لیے اسکول کھولنے، پریس اور اخبار استعمال کرنے
شائع کرنے کا حقدار سمجھتا ہے، اور کسی کو تبدیلِ مذہب پر مجبور کرنے
ہے۔ لا اکراہ فی الدین (دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی جائز نہیں)

قرآن کا حکم ہے، اسلام مذاہب کے رسوم اور تقریبات، تنظیموں اور پرسنل لا میں دخل دینے کو
صحیح نہیں سمجھتا، مسلمان حکمرانوں نے اسلامی تعلیمات کا تقاضا سمجھ کر اپنے ماتحت قوموں کو ان کے
مذہبی معاملات میں پوری آزادی دی ہے، ان کے پرسنل لا کی حفاظت کی ہے، اور اس کو
نافذ کرنے کے لیے ان کے اپنے آدمی مقرر کئے ہیں، اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کے
اپنے جج متعین کیے ہیں، یہی طرزِ عمل اسلامی تعلیمات اور اس کی صحیح روایات کے مطابق ہے
اس کے خلاف اگر کچھ کہیں ملتا ہے تو وہ غیر اسلامی اور غلط ہے۔

اسلام ہر انسان کو ایک ہی ماں باپ کی اولاد سمجھتا ہے، سارے انسانوں کو
بھائی بھائی اور سب کو برابر قرار دیتا ہے، یہ بات صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے
بلکہ ہر مذہب، ہر ملت، ہر ملک اور ہر طبقے کا انسان ہر دوسرے انسان کا بھائی اور
اس کے برابر ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے سب کی جان، سب کا مال، سب کی
عزت، سب کا مسلک، سب کا مذہب یکساں احترام کے لائق ہے، اور سب کی
حفاظت اور سب کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے، اسلام ہر ظلم کو ظلم ہی کہتا ہے۔
خواہ وہ کسی کے خلاف ہو یا کسی بھی جذبے سے کیا جائے۔

اسلام ساری انسانیت کو "عیال اللہ" (خدا کی اولاد) کہتا ہے، اور ہر انسان
کی خدمت کو خدا کی عبادت قرار دیتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنے پڑوس،
اپنے محلہ، اپنے شہر اور اپنے ملک کے لوگوں کا حق دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بتاتا
ہے، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، ایثار و قربانی، احسان اور حسن سلوک خواہ
وہ جس انسان کے لیے ہو اسلام کے نزدیک بہت سی عبادتوں سے بڑھ کر ہے،
اور خدا کی محبت اور قربت کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کی تائید کے لیے قرآن و حدیث سے چند جملے نقل
ں اور ان پر اس مقالہ کو ختم کر دیا جائے۔

" آپس میں بدگمانی نہ کرو، ایک دوسرے کے معاملات کی کھوج نہ کرو،
سکے خلاف دوسرے کو نہ اکساؤ، آپس کے حسد اور بغض سے بچو، ایک دوسرے
کو کاٹنے میں نہ پڑو، اور اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بنکر رہو۔ (حدیث)

کسی کو ظالم جانتے ہوئے اس کا ساتھ نہ دو۔ (حدیث)

غیر حق میں اپنی قوم کی حمایت کرنا ایسا ہے، جیسے تمھارا اونٹ کنویں میں
رنے لگا تو تم بھی اس کی دم پکڑ کر اس کے ساتھ جا گرے۔ (حدیث)

دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو تم خود اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ (حدیث)

نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ساتھ دو اور بدی اور زیادتی کے
موں میں تعاون نہ کرو۔ (قرآن)

تمھاری دوستی اور دشمنی خدا کی خاطر ہونی چاہیے۔ (حدیث)

تم وہ اچھی امت ہو جسے دنیا والوں کی بھلائی کے لیے اٹھایا گیا ہے،
مھارا کام نیکی کا حکم دینا اور بدی کو روکنا ہے۔ (قرآن)

ابن الفارض اور اُن کا کلام

از جناب ڈاکٹر حافظ غلام مصطفےٰ صاحب شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۵)

بنیادی مضامین قصیدۂ تائیہ کبریٰ اور خمریہ کے علاوہ شیخ کے تمام قصائد میں مضمون و موضوع کے اعتبار سے بڑی حد تک یک رنگی و یکسانیت پائی جاتی ہے، تنوع اور رنگینی صرف انداز بیان کی حد تک محدود ہے، چنانچہ وہی تین قصائد سے تمام مضامین کا احاطہ کیا جا سکتا ہے، خاص خاص مضامین اور اہم اجزاء یہ ہیں:

ساربان سے خطاب اور اس کے ذریعہ محبوب تک ابلاغ سلام و پیام، ہجر میں اپنی زبوں حالی و ناتوانی کا اظہار، ناصح کی نصیحت اور لائم کی ملامت کا بیان، عشق کے شدید جذبات و کیفیات کا ذکر، محبوب کے حسن و جمال کی تعریف و توصیف، ایام وصال کی یاد، مقامات وصل کا تذکرہ اور ان کے لیے دعاء،

یہ مضامین قصائد میں اس طرح آئے ہیں کہ ان میں باہم لفظی اعتبار سے کوئی گہرا ربط نہیں ہے، چند قصیدوں کے مطالعہ کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاعر کے ذہن میں ان کی ترتیب کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ پہلے وہ کسی تقریب سے اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے، کبھی باد نسیم کی روانی اور کبھی بجلی کی چمک یہ تقریب پیدا کر دیتی ہے، اور شاعر کا دل چاہتا ہے کہ وہ کسی عنوان سے اپنے حال زار کی خبر اپنے محبوب تک پہنچا دے، اسکے لیے

...ساربان کو خطاب کرتا ہے اور اس کے سفر کی عکاسی مختلف مراحل و منازل کے
... ساتھ ساتھ اس طرح کرتا ہے گویا خود شریک سفر ہے، اور جیسے جیسے دیارِ حبیب قریب آتا جا...
...اعر کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی جاتی ہے، اور وہ ساربان سے درخواست کرتا ہے
...انۂ حبیب پر پہنچ کر نہایت ادب کے ساتھ اس کا سلام شوق پہنچا دے اور عاشق کا جو حال زار
... دیکھا ہے، اسے بھی نرمی و عاجزی کے ساتھ ترحم انگیز الفاظ میں بیان کر دے، اس
...شاعر بڑے درد انگیز لہجے میں اپنی شکستہ حالی اور ہجر و فراق کی جانگداز کیفیتوں کی تصویر
...ہے، پھر ناصح کی نصیحت و ملامت کا تذکرہ چھیڑ دیتا ہے، اس سے وہ اپنے محبوب کو
...یا بتاتا ہے کہ ہجر میں اس کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ احباب اس کو الفت و محبت پر ملامت
...کے ترک کی نصیحتیں کرتے ہیں، اس کے باوجود اس کے پائے ثبات میں کوئی لغزش نہیں
...ہ اپنے عہد پر بدستور قائم اور وفاداری پر ثابت قدم ہے، اور اس کو اپنے محبوب سے
...تع ہے کہ وہ بالآخر اس کی خبر لے گا اور نظرِ التفات سے اس کو نوازے گا، اب شاعر
...کے حسن و جمال اور اس کی دلکش اداؤں کی توصیف اور اپنے کمال عشق کا اظہار
...اس پر فخر بھی کرتا جاتا ہے، گویا بالواسطہ وہ اپنے ناصحین کو جتانا چاہتا ہے کہ وہ اس پیکر جمال کا دلدا...
...ایک نظر دیکھ لینے کے بعد ہوش و حواس کا پتہ نہیں ملتا، اور جس کے حسن و جمال کے آگے جان و دل
...ت نہیں ہے، اسلیے نصیحت و ملامت کا اسپر کوئی اثر نہیں ہو سکتا، اسکے بعد ایام وصال کو حسر...
...فاظ میں یاد کرتا ہے، اور جن مقدس مقامات پر ان کو یہ مبارک لمحات نصیب ہوئے تھے
...کرتا ہے، پھر آخر میں ان کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کر کے خاموش ہوجاتا ہے۔
...ل خاکہ ہے جس میں شاعر نے مختلف قصیدوں میں مختلف طریقوں سے رنگ بھرا ہے،
...ایک رنگ زیادہ شوخ ہوجاتا ہے اور کہیں دوسرا رنگ، بعض قصائد میں یہ سب اجزا

ملتے ہیں، بعض میں کچھ کم، کسی قصیدہ میں یہی ترتیب رہتی ہے اور کسی میں تھوڑا سا فرق ہوجاتا ہے،
کبھی ان مضامین کی تفصیل بڑھ جانے سے قصیدہ طویل ہوجاتا ہے، اور کبھی حذف یا اختصار
کی وجہ سے چھوٹا ہوجاتا ہے، لیکن تمام قصائد کے بنیادی اجزاء تقریباً یہی ہیں۔
اس موقع پر ایک چھوٹا سا قصیدہ مکمل پیش کیا جاتا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود اکثر بنیادی مضامین
پر مشتمل ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ شیخ کس طرح ان مضامین کو اپنے کلام میں جگہ دیتے ہیں:-

أومیض برق بالأبیرق لاحا　　　　ام فی ربی نجد ارى مصباحا

(کیا یہ بجلی کی چمک ہے جو اس پتھریلی زمین پر نمایاں ہے، یا نجد کے ٹیلوں پر میں کوئی چراغ دیکھ رہا ہوں)

أم تلک لیلی العامریة اسفرت　　　　لیلا فصیرت المساء صباحا

(نہیں نہیں، یہ تو قبیلہ بنو عامر کی لیلی ہے جس نے رات میں اپنے رخِ روشن سے پردہ ہٹا کر شام کو صبح بنا دیا ہے)

یا راکبا لوجنا وقیت الردی　　　　ان جبت حزنا او طویت بطاحا

وسلکت نعمان الاراک فعج الی　　　　وادٍ هناک عهدته فیاحا

(اے ناقہ سوار، خدا تجھے محفوظ رکھے، اگر تو سخت زمین کو قطع کرے یا نرم سنگریلی وادی کو طے کرے
اور وادی نعمان میں پہنچے جہاں پیلو کے درخت ہیں تو اس وادی کی طرف بھی تھوڑا سا مڑ جانا جس کو
میں نے کسی زمانہ میں بہت وسیع اور کشادہ پایا تھا)

فبأیمن العلمین من شرقیه　　　　عرّج وأمّ اراینه الفواحا

(پھر اس کے مشرق میں جو دونوں پہاڑ ہیں ان کے دائیں جانب قیام کرنا اور مقام اراین کا قصد
کرنا جس سے ہر طرف خوشبو اڑتی رہتی ہے)

واذا وصلت الی ثنیات اللوی　　　　فانشد فؤادا بالابیطح طاحا

(اور جب تو ریتیلے موڑ کی گھاٹیوں کے پاس پہنچے تو اس دل کو بھی تلاش کرنا جو وہیں کہیں
سنگریلی وادی میں ہلاک ہوگیا ہے)

قوالسّلام اهيله عنى وقل   غادرته لجنابكم ملتاحا

...روہاں کے لوگوں کو میری طرف سے سلام پہنچا دینا اور کہنا کہ میں اس کو اس حال میں
...ڑ آیا ہوں کہ وہ تمھاری بارگاہ کے دیدار کا پیاسا ہے)

...ساکنی نجد اما من رحمة   لاسیر الف لا یرید سراحا

...ساکنانِ نجد، کیا تم کو اس اسیرِ محبت پر کچھ رحم نہیں آتا جو اپنی اس قید سے رہائی
...الب نہیں ہے)

...لا بعثتم للمشوق تحیة   فی طی صافیة الریاح رواحا

...شام کے وقت صاف ہواؤں کی لہروں میں اس مشتاق کو سلام کیوں نہیں بھیجا)

...یا بها من کان یحسب هجرکم   مزحا ویعتقد المزاح مزاحا

...سلام کی بدولت وہ زندہ ہو جو تمھاری جدائی کو پہلے مذاق سمجھتا تھا، اور اس مذاق
...ارضی جانتا تھا)

...ذل المشتاق جهلا بالذی   یلقی ملیا لا بلغت نجاحا

...ق کے حالات سے بیخبر ہونے کی وجہ سے اسکو ملامت کرنے والے، خدا کرے تجھے کامیابی حاصل نہ ہو)

...ت نفسك فی نصیحة من یری   ان لا یری الاقبال والافلاحا

...نے ایسے شخص کو نصیحت کرنے کی بیکار زحمت اٹھائی جس کو یقین ہو چکا ہو کہ اب
...بھی خوشحالی اور کامرانی کا منہ نہ دیکھے گا)

...عدمتك وارحل من اثخنت   احشاءه النجل العیون جراحا

...ے تو نیست و نابود ہو جائے، ٹھہر جا اور اس سے الگ ہو جا جس کے دل کو
...بڑی خوبصورت آنکھوں نے بری طرح زخمی کر ڈالا ہے)

کنت الصدیق قبیل نصحك مغرما   أرأیت صبا یألف النصاحا

(نصیحت کرنے سے پہلے تو گہرا دوست تھا، اب تو ہی بتا کیا تو نے کسی عاشق کو دیکھا ہے
کہ وہ ناصحوں سے دوستی رکھتا ہو)

ان رمت اصلاحی فانی لم ارد   لفساد قلبی فی الهوی اصلاحا

(اگر اس نصیحت کے ذریعہ تو میری اصلاح کرنا چاہتا ہے تو یہ تیری غلط فہمی ہے، محبت میں
دل کو برباد کرنے کے بعد میں نے کبھی اس کی اصلاح کا قصد ہی نہیں کیا)

ماذا یرید العاذلون بعذل من   لبس الخلاعة واستراح وراحا

(آخر یہ ملامت کرنے والے ایسے شخص کو ملامت کرکے چاہتے کیا ہیں جس نے بے حجابی کا لباس
پہن لیا ہے، یعنی اب اس کو محبت کے معاملہ میں کسی بات کا لحاظ نہیں رہ گیا ہے
اور وہ جس حال میں ہے اسی میں خوش و خرم ہے)

یا اهل ودی هل لراجی وصلكم   طمع فینعم باله استرواحا

(اے میرے دوستو، کیا تمھارے وصال کے امیدوار کے لیے بھی کوئی گنجائش ہے کہ
اس کا دل راحت و مسرت سے شاد کام ہو سکے)

مذ غبتم عن ناظری لی انة   ملأت نواحی ارض مصر نواحا

(جب سے تو میری نگاہوں سے اوجھل ہوا ہے، میرے دل سے ایسی آہ نکلتی ہے جس نے
سرزمین مصر کے گوشہ گوشہ کو نالہ و شیون سے بھر دیا ہے)

واذا ذکرتكم امیل كاننی   من طیب ذکرکم سقیت الراحا

(جب میں تجھکو یاد کرتا ہوں تو خوشی سے جھومنے لگتا ہوں گویا تیری یاد شراب ہے جو مجھے
پلا دی گئی ہے)

ا عیت الی تناسی عہد کم الفیت احشائی بذاک شحاحا

ب مجھ سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ میں تجھکو بھول جانے کی کوشش کروں تو میں اپنے
اس کے لیے آمادہ نہیں پاتا)

الایام مضت مع جیرۃ کانت لیالینا بھم افراحا

م کو اللہ سیراب کرے جو ایسے ہمسایوں کے ساتھ گزرے ہیں جن کی بدولت ہماری
مسرتوں سے معمور تھیں)

انجمی وطنی وسکان الغضا سکنی وورد الماء فیہ مباحا

کی چراگاہیں میرا وطن اور غضا کے رہنے والے میرا سکون تھے اور وہاں کے چشمے میری
کے لیے کھلے ہوئے تھے)

یلہ ارب وظلّ نخیلہ طربی ورملۃ وادیہ مراحا

اگاہ کے لوگ ہی میرے مطلوب و مقصود ہیں، اس کے درختوں کا سایہ میری مسرت
ور اسکی دونوں وادیوں کے رتیلے میدان میرے لیے راحت کدہ ہیں)

علی ذاک الزمان وطیبہ ایام کنت من اللغوب مراحا

ن زمانہ اور اسکی مسرتوں پر! یاد ایام کہ جب میں ہر قسم کے تعب و تکان سے راحت میں تھا)

مکۃ والمقام ومن اتی البیت الحرام ملبیاً سیاحا

ے مکہ اور مقام ابراہیم کی اور اس کی جو بیت اللہ میں لبیک کہتا ہوا حج و
ت کے لیے آئے)

نحت ریح الصبا شیح الربی الا واھدت منکم ارواحا

ں باد صبا ٹیلوں کے پودوں کو حرکت دیتی ہے وہ تمھاری جانب سے روحوں اور جانوں
مجھے پیش کرتی ہے)

ناصح کا تصور | عشق و محبت کی راہ میں ناصح کی نصیحت و ملامت اور اس کے اسباب و نتائج عربی، فارسی اور اردو شاعری کا مشترک موضوع ہیں، اس کا اظہار مختلف پیرایوں میں ملتا ہے،

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

منعِ گریہ نہ کر تو اے ناصح اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی

دل کے الجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں اے ناصح تو کسی زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

کرو منع ناصح کو ہم سے نہ بولے کہاں کا یہ غمخوار پیدا ہوا ہے

پوچھنا حالِ یار ہے منظور ہم نے ناصح کا مدعا جانا

عشق حقیقی ہو یا مجازی، دونوں کی کیفیتیں بڑی حد تک یکساں ہوتی ہیں، دونوں میں قلبی تاثرات و واردات تقریباً ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں، اس لیے صوفی شعراء کے یہاں بھی ناصح کا ذکر ملتا ہے، عام غزلگو شعراء کے یہاں جو کام ناصح انجام دیتا ہے اسی کو ایک صوفی و سالک کے یہاں اس کی دماغی و منطقی صلاحیت پورا کرتی ہے، اس کی عقل اسکے سامنے راہ سلوک کے مشکلات و خطرات کو پیش اور اس کے دل میں طرح طرح کے شبہات و وساوس پیدا کرکے اس کی ہمت کو پست اور راہ سلوک سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے، دوسری طرف نفسانی خواہشات، روحانیت سے دور کرکے مادیت کی طرف کھینچتی اور نفس پرستی کی دعوت دیتی ہیں، اس لیے صوفی شعراء کے یہاں بھی ناصح، عاذل اور واشی وغیرہ عام روایتی شخصیتوں کا ذکر ملتا ہے، جن کے پردے میں وہ مختلف قسم کے روحانی مطالب و معانی کا اظہار کرتے ہیں، اس کے علاوہ صوفیہ کی آزادہ روی و قلندری پر عموماً علما، اعتراض کرتے ہیں، جس کا جواب وہ کھل کر صاف صاف نہیں دینا چاہتے،

یں روایتی وشعری شخصیتوں کی آڑ میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں،

ن الفارض کی شاعری میں بھی ان شخصیتوں کا ذکر ہے، ذیل کی مثالوں سے اندازہ

نے کن کن پیرایوں میں اس مضمون کو ادا کیا ہے۔

ثر ایسا ہوتا ہے کہ معشوق کی طویل بے رخی اور مسلسل بے التفاتی کو دیکھکر عاشق

طرح طرح کے خیالات آتے ہیں، اور وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ غالباً اس کا محبوب

ی چغلی سے متاثر ہو گیا ہے، اس کا اظہار شیخ نے ان الفاظ میں کیا ہے:۔

جرت لهجر واش بی کمن   فی لومه لوٴم حکاه فهاذا

رست نمام کی باتوں میں آکر تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا، اس کا حال تو لائم ہی جیسا ہے

طرفی کی وجہ سے مجھے ملامت کرتا رہتا ہے، اسی طرح نمام نے بھی محض ہذیان سرائی کی ہے)

عد کہتا ہے کہ دراصل لائم کی ملامت اس کے عقلی ضعف کی بنا پر ہے، اس لیے

ابل التفات نہیں۔

ع من اعتدی فی ہجرہ   فقد اعتدی فی ہجرہ ملاذا

تیری محبت سے مجھے منع کیا اسی نے مجھ پر زیادتی کی درحقیقت اسکی عقل میں خامی اور کوتاہی ہے)

ستقلال اور استقامت کو اس پر زور انداز میں بیان کرتا ہے:۔

لو تجدہ عندی لائمی   عمن حوی حسن الوری استحواذا

نگر، میں تیری ہر بات مان سکتا ہوں لیکن اس کو کسی طرح نہیں بھلا سکتا جو

تمام مظاہر حسن وجمال کا جامع پیکر ہے)

یں ایک کیفیت یہ بھی ہوتی ہے کہ عاشق کو برابر اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے کہ

ب یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس کے عشق میں کچھ خامی ہے، اس لیے وہ اپنے عشق کی

صداقت و پختگی کا اظہار مختلف طریقوں سے کرتا رہتا ہے، اور یقین دلاتا ہے کہ اس کا عشق پختہ ہے کہ وہ کسی ملامت کرنے والے کا اثر نہیں لیتا، شیخ نے اس کا اظہار مختلف پیرایوں میں کیا ہے،

رجع اللاحی علیکما آئسا   من رشادی وکذاک العشق غی

(تمھارے بارے میں ملامت کرنے والا مجھے ہدایت دینے کے لیے آیا تھا لیکن اسے مایوس و ناکام واپس ہونا پڑا، اور عشق ایک ایسی ہی گمراہی ہے جس کے بعد ہدایت ممکن نہیں ہے)

اس کے بعد متعدد اشعار میں اس خیال کا اظہار کیا ہے:

ابعینیه عمیٌ عنکم کما   صمم عن عذله فی اذنیَ

(کیا ملامت گر کی آنکھیں اندھی ہیں کہ وہ تمھارے حسن وجمال کو نہیں دیکھتا جس طرح میرے کان بہرے ہیں کہ میں اس کی ملامت کو نہیں سنتا یعنی اگر وہ جمال یار کو دیکھ لیتا تو ہرگز مجھے ملامت نہ کرتا)

اولم ینه النهیٰ عن عذله   زاویا وجه قبول النصح زی

(کیا اس کی عقل نے ایسے شخص کو ملامت کرنے سے نہیں روکا جو نصیحت سے نفرت کرتا ہے یعنی ایسے شخص کو ملامت کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اس لیے عقل کا تقاضا یہی ہے کہ اسے ملامت نہ کیجائے)

ظل یهدی لی هدی فی زعمه   ضل کم یهذی ولا اصغی لغیَ

(وہ بزعم خود مجھے ہدایت کرتا رہا ہے حالانکہ وہ خود گمراہ ہے اور خدا کرے ہمیشہ گمراہ رہے، وہ کس قدر فضول گوئی کرتا حالانکہ میں گمراہی کی باتوں کی طرف دھیان نہیں دیتا)

ل عن لمیاء طو ------ ع هویٰ فی العذل اعصی من عصی

ں والی محبوبہ کے بارے میں وہ اس شخص کو کیوں ملامت کرتا ہے جو اسکی محبت
س کا دیوانہ ہے اور نصیحت و ملامت کے معاملہ میں قبیلہ عصیہ سے بھی زیادہ
خ ہوا ہے)

لدی الحجر صبا بکم، دل علی حجر صبی

اللہ کے پاس تمہارے عشق میں مبتلا ہوا ہے اس کو ملامت کرنا اس امر کی دلیل
چوں کی سی ہے اور وہ ضعیف العقل ہے، اسلیے کہ کوئی عقلمند اس شخص کو ملامت نہیں کرسکتا جس نے
مقام میں کوئی معاہدہ کیا ہو کیونکہ وہ اپنے عہد سے کبھی پلٹ نہیں سکتا)

لامت کو برابر سنتے سنتے عاشق کو یہ خیال بھی آتا ہے کہ ملامت کرنے والے
واقف ہیں، ورنہ اتنی ملامت نہ کرتے،

نی فی حبهم سفها کف الملام فلو احببت لم تلم

جو نادانی کی وجہ سے اسکی محبت کے بارے میں مجھے ملامت کر رہا ہے اس ملامت
کہ تو محبت کے تقاضوں سے واقف نہیں ہے، اگر تو نے محبت کی ہوتی اور اسکی
نا ہوتا تو کبھی ملامت نہ کرتا۔)

م پہ شیخ نے اسی خیال کو بڑے دلچسپ انداز میں اس طرح پیش کیا ہے:

اطلت لومی طامعا ان الملام عن الهوی مستوقفی

فی وذق طعم الهوی فاذا عشقت فبعد ذلك عنفی

ار اس امید میں تو بہت زیادہ ملامت کر چکا کہ تیری ملامت مجھے محبت سے روک دیگی
ے اور عشق کا مزا چکھ لے جب تو عشق کی لذت سے آشنا ہو جائے تو اسکے بعد ملامت کرلینا)

۴۔ اسی طرح عاشق کے ذہن میں کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ناصح نے اس پیکر جمال کو دیکھا ہی نہیں، اگر وہ اسے ایک نظر بھی دیکھ لیتا تو عاشق کو معذور سمجھتا اور ملامت نہ کرتا، شیخ نے اس کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

وفی قطعی اللاحی علیك ولامت ------ حین فیك جدال كان وجهك حجتی

(اے محبوبہ، تیری محبت کے بارے میں مجھے ملامتگر سے بحث و مباحثہ کی فرصت نہیں ہے، میں اس معاملہ میں اس سے کوئی قیل و قال نہیں کرنا چاہتا، میرے لیے تیرا رخ روشن ہی حجت قاطع ہے کہ اگر وہ تجھے ایک نظر دیکھ لے تو ملامت کرنی بھول جائے)

شاعر کو اس پر اس درجہ وثوق ہے کہ عالم تخیل میں اس کو محبوب پر ملامت گر کی فریفتگی کا پورا یقین ہو گیا ہے، جس کا اظہار اس نے اس شعر میں کیا ہے۔

تاصبحلی من بعد ما کان عاذری به عاذراً بل صار من اهل نجدتی

(تیرا جلوہ دیکھ لینے کے بعد اب ملامت گر خود میری طرف سے معذرت کرنے والا بن گیا حالانکہ پہلے وہ مجھے ملامت کیا کرتا تھا، صرف یہی نہیں کہ اس نے مجھے معذور سمجھکر ملامت چھوڑ دی بلکہ وہ میرا مددگار اور غم گسار بن گیا۔)

۵۔ نصیحت و ملامت عموماً عشاق پر گراں گزرتی ہے اور ناصحین سے بیزار رہتے ہیں، لیکن بعض وقت کسی خاص کیفیت میں اس ملامت میں بھی ان کو لذت حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس میں محبوب کا ذکر بار بار آتا ہے، فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے

مقصود ما شنیدن نام تو بودہ است گاہے ز ناصح ار سخنے گوش کردہ ام

اس طرح نصیحت کے اندر بھی ایک خوشگوار پہلو عشاق کے لیے نکل آتا ہے اور کبھی کبھی وہ نصیحت سے محظوظ بھی ہوتے اور ناصح سے اس کا مطالبہ کرتے ہیں، شیخ نے ایک قصیدہ

ہی اسی سے کی ہے :-

ذکر من اھوی ولو بملامی   فان احادیث الحبیب مدامی

ھد سمعی من احبّ وان نأی   بطیف ملامٍ لا بطیف منام

ناصح، محبوب کا ذکر چھیڑ دے، اگرچہ وہ میری ملامت ہی کے ضمن میں ہو، ذکرِ حبیب
لیے بمنزلۂ شراب کے ہے، تاکہ میرے کان محبوب کی زیارت کرلیں اگرچہ وہ مجھ سے
ہے اور یہ زیارت تیری ملامت کی تخئیل میں ہوگی نہ کہ خواب کی تصویر میں۔
ب یہ ہے کہ تیری ملامت کے وقت جب میں محبوب کا ذکر سنتا ہوں تو اس کی
میرے سامنے اس طرح آجاتی ہے جیسے خواب میں کچھ نظر آئے)

کرھا یحلو علی کل صیغۃ   وان مزجوہ عذّلی بخصام

س کا ذکر ہر صورت میں مرغوب ہے اگرچہ میری ملامت کرنے والے اس میں ملامت
ت کی آمیزش کردیں)

ذولی بالوصال مبشری   وان کنت لم اطمع برد سلام

دیا مجھے وصال کا مژدہ سنا دیتا ہے حالانکہ مجھے اس کی بھی توقع نہیں کہ محبوب کی طرف
میرے سلام کا جواب بھی ملے گا)

ل کی بنا پر شاعر کبھی ملامت گر سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اس کو دعائیں
فرماتے ہیں :-

یا عاذل لی لم یزل   یکرر من ذکری احادیث ذی الخال

مت گر کو اللہ زندہ و سلامت رکھے۔ وہ اس محبوب کا ذکر بار بار کیا کرتا ہے
الخ)

ناصح و لائم کی طرح نمّام کی چغلی میں بھی عاشق کے لیے ایک منفعت کا پہلو نکل آتا ہے
کہ اس ذریعہ سے اس کا محبوب اس کے حالات سے باخبر ہو جاتا ہے، اس طرح نمّام گویا
عاشق کی طرف سے قاصد کا کام انجام دیتا ہے، اس لیے کبھی نمّام کا فعل بھی اس تصور
کے تحت اس لیے پسندیدہ ہو جاتا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں :-

فارتاح للواشین بینی وبینھا   لتعلم ما القی وما عندھا جھل

واصبو الی العذّال حبا لذکرھا   کانھم ما بیننا فی الھوی رسل

فان حدّثوا عنھا فکلی مسامع   وکلی ان حدّثتھم السنٌ تتلو

(میرے اور محبوبہ کے درمیان جو لوگ چغلی کھاتے ہیں میں ان سے بہت خوش ہوتا ہوں، کیونکہ
اس طرح میرے مصائب و حالات کی خبر اسکو ہو جاتی ہے، حالانکہ وہ نادان بھی نہیں ہے، میں ملامت
کرنے والوں کا اسلیے مشتاق رہتا ہوں کہ وہ ملامت کے درمیان اس کا ذکر کرتے ہیں اور
مجھے اسکے ذکر سے محبت ہے، اسلیے ملامت کرنے والے ہمارے درمیان قاصد اور پیامبر ہیں،
جب وہ اسکا ذکر کرتے ہیں تو میرا ہر موئے بدن کان بنجاتا ہے جس سے میں اس کا ذکر سنتا ہوں
اور جب میں ان سے اسکا ذکر کرتا ہوں تو ہر موئے بدن زبان بنجاتا ہے جس سے میں اسکے محاسن بیان کرتا ہوں)

ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں :-

ولقد اقول للائمی فی حبہ   لمّا رآہ بُعَید وصلی ھاجری

(جب ملامت گر دیکھتا ہے کہ وصال کے بعد میرے محبوب نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو وہ مجھے ملامت
کرنے لگتا ہے، اس وقت میں اس سے کہتا ہوں)

عنّی الیک فلی حشا لم ینثنھا   ھجر الحدیث ولا حدیث الھاجر

(تو میرے پاس سے ہٹ جا تیری فضول گوئی میرے دل کو اسکی طرف سے پھیر نہیں سکتی اور نہ محبوب کی
بے وفائی کا تذکرہ بھی اس کو باز رکھ سکتا ہے)

ـنك من طريق نافعى — وبلذع عذلی لواطعتك ضائرى

ـظ سے تو میرے لیے مفید ہے حالانکہ اپنی آتش ملامت کی وجہ سے تو میرے لیے
ـہو اگر میں تیری اطاعت کروں)

ـن حيث اشتدرى وان — كنت المسئ فانت اعدل جائرى

ـو میرے ساتھ بھلائی کرجاتا ہے، حالانکہ تو برائی کرنے والا ہے، پس تو عادل ہے

ـوان تناءت دارہ — طيف الملام لطرف سمعى الساھر

ـب میرے کانوں کی بیدار آنکھوں سے قریب کردیتی ہو حالانکہ وہ مجھ سے دور ہوتا ہے)

ـعيس من احبته — قدامت على وكان سمعى ناظرى

ـ گویا محبوب کی ناقہ ہے جو میرے پاس آگئی ہے اور میرے کان گویا میری
ـسے دیکھ رہی ہیں)

ـے واسترحت بذكرہ — حتى حسبتك فى الصبابة عاذرى

ـزحمت اٹھائی اور میں نے ذکرِ حبیب سے راحت ولذت پائی یہاں تک کہ میں نے
ـت گر نہیں ہے بلکہ میرا عذرخواہ ہے)

ـادح عذاله — فى حبه بلسان شاك شاكر

ـل بھی کس قدر عجیب ہے جو اپنے ملامتگروں کی ہجو بھی کرتا ہے اور مدح بھی
ـبھی ہے اور شاکر بھی)

(باقی)

سلام کا قانونِ خراج

اور

مستشرقین کے نظریات کے علل و اسباب

مترجمہ
مولوی حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی رفیق دارالمصنفین

(۲)

خراجی روایات اب ہم ذیل میں وہ فقہی روایات درج کرتے ہیں جن کی بنا پر مستشرقین نے غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی ہے، ان میں سے بیشتر روایتیں عفو، فضل، اور طاقۃ کی فقہی اصطلاحات کے محور پر گردش کرتی ہیں، اس سلسلہ کی اہم روایتیں یہ ہیں:-

۱- یحییٰ بن آدم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ

ان ابراھیم بن سعد سأل	ابراہیم بن سعد نے ٹیکس کے احکام کے
عن الاحکام المتبعة فی الجبایة	بارے میں دریافت کیا تو حضرت ابن عباس رض
فقال ابن عباس انا امرنا ان	نے فرمایا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مسلموں
ناخذ منهم العفو یعنی الفضل[1]	سے اتنا ہی وصول کریں جو ان کی ضروریات
	سے زائد ہو۔

[1] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۵۴

بن آدم ہی نے ایک دوسری روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے :۔

رجل من ثقیف قال استعملنی
طالب علی بزرج سابور
تضربن رجلا سوطاً
درهم ولا تبیعن لھم
لا کسوۃ شتاء ولا
لا دابۃ یعتملون علیھا
ت رجلا قائماً فی طلب
ل قلت یا امیرالمومنین
ع الیک کما ذھبت
ک .... قال وان
ما ذھبت ویحک
ان ناخذ منھم
ی الفضل [1]

قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے کہ حضرت علی بن طالبؓ نے مجھے بزرج سابور کا عامل مقرر کرتے ہوئے فرمایا (دیکھو وہاں) ایک درہم کی خاطر کسی کو ایک کوڑا بھی نہ مارنا، اور (درخراج وصول کرنے کے سلسلہ میں) انکے استعمال کی غذائی اشیاء کو فروخت نہ کرنا اور نہ جاڑے وگرمی کے کپڑوں کو اور نہ انکے سواری کے جانوروں کو، اسی طرح کسی کو ایک درہم کی خاطر کھڑا نہ رکھنا، اس عامل نے عرض کیا کہ تب تو میں آپکے پاس اسی طرح لوٹ کر آؤنگا جیسا کہ جارہا ہوں آپؓ نے فرمایا ہاں چاہے تم ویسے ہی لوٹ آؤ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان سے اسما ہی وصول کریں جو انکی ضروریات سے زائد ہو۔

امام ابویوسف نے بھی مزید تفصیل اور سند کے کچھ اختلاف کے ساتھ کتاب
ج کی ہے۔

ب بن آدم ص ۵۴

۳۔ تیسری روایت امام ابویوسف نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

عن عمرو بن میمون قال بعث عمر رضی اللہ عنہ حذیفۃ بن الیمان علی ماوراء دجلۃ وبعث عثمان بن حنیف علی مادونہ فاتیاہ فسألھما کیف وضعتما علی الارض لعلکما کلفتما اھل عملکما مالا یطیقون فقال حذیفۃ لقد ترکت فضلا وقال عثمان لقد ترکت الضعف ولو شئت لاخذتہ [1]

عمرو بن میمون روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حذیفہ بن یمان کو دجلہ پار کے علاقے میں اور عثمان بن حنیف کو اس پار کے علاقے پر مامور کیا جب یہ دونوں واپس آئے تو آپ نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے زمین پر مالیہ کس حساب سے عائد کیا، شاید تم نے اپنی عملداری کے باشندوں پر اتنا بوجھ ڈالدیا ہے جسے وہ برداشت نہیں کر سکتے، حذیفہ نے جواب دیا کہ میں نے کچھ فاضل چھوڑ دیا ہے اور عثمان نے کہا کہ میں نے دوگنا چھوڑ دیا ہے اور میں چاہتا تو اسے بھی وصول کر لیتا۔

ابوعبید قاسم بن سلام نے بھی اس روایت کو سند کے کچھ اختلاف کے ساتھ ذکر کیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ انکی روایت میں حضرت عمرؓ کے بجائے حضرت علیؓ کا نام ہے۔[2]

کتاب الخراج یحیی بن آدم کے ناشرین ڈاکٹر اے بن شمس (Dr. A. Ben Shemesh) اور مسٹر فاگنان (Fagan) نے عفو کا مفہوم بہت ہی غیر واضح بیان کیا ہے، انکے نزدیک عفو مذکورہ بالا نصوص میں مسامحت اور اعفا کے معنی میں آیا ہے، دراصل غلط توضیحات سے مستشرقین کا مقصد قاری کے ذہن میں یہ تصور پیدا کرنا ہے کہ عرب اپنی غیر مسلم رعایا پر تحصیل خرا

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۳۷ [2] کتاب الاموال ص ۶۲۴

ت تشدد کرتے تھے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان اصطلاحات کے مفہوم و معانی ہر جگہ بدلتے رہتے
چنانچہ مذکورۂ بالا ہر روایت میں یہ اصطلاح ایک خاص معنی میں مستعمل ہوئی ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب ہم ان تمام خراجی روایات پر تفصیل سے بحث کریں جن میں یہ
طلاحات مذکور ہیں، ان میں سے بعض پر مستشرقین نے حاشیہ آرائی کی ہے، اور بعض الاالعفو
رانداز کر دیا ہے جن سے ان کے غلط نظریات پر زد پڑتی تھی،

امام ابو یوسفؒ کی مذکورۂ بالا روایت میں عفو کا ذکر فضل یعنی (ضرورت سے زائد) کے
میں ہے، اس کی تائید امام ابو یوسفؒ ہی کی ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے،
ں حذیفہ بن یمانؓ نے حضرت عمرؓ کو جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں نے زمین پر قابل برداشت
الا ہے اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ بہت زیادہ ہے،[1]

امام ابو عبید کی روایت نفس مضمون کے لحاظ سے تو امام ابو یوسف کی روایت سے بالکل
ہے، لیکن ان دونوں میں عفو ایک خاص معنی میں استعمال ہوا ہے، اور روایت بالا
فضل کا ذکر ہے اس کا مفہوم عفو کے معنی سے بہت مختلف ہے، اصل بات یہ ہے کہ
بو یوسف نے تغیر اسناد اور تکرار روایت کی جو توضیح کی ہے اس کی بنا پر عفو و فضل
دف اور لفظی تقابل پیدا ہو گیا ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف کی پہلی روایت میں عفو
زمین کی قوت برداشت کے مفہوم میں آیا ہے، اور دوسری روایت میں اسکے برخلاف ہے۔
چنانچہ امام ابو یوسف بسند بیان کرتے ہیں کہ

ن عبد اللہ ابن عباس قال — حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ
یس فی اموال اھل الذمۃ — اہل ذمہ کے اموال سے اتنا ہی وصول
الا العفو[2] — کیا جا سکتا ہو جو انکی ضروریات سے فاضل ہو۔

---

[1] خراج لابی یوسف ص ۳۰، [2] ایضاً ص ۱۲۳،

اس نص میں عفو سہولت و آسانی کے معنی میں نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ درحقیقت اس سوال کے جواب میں ہے کہ ھل توخذ الزکوٰۃ من اھل الذمۃ؟ اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی ایک دوسری روایت میں عفو کا مفہوم مذکورۂ بالا مفہوم سے مختلف ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

کتب علی بن ارطاۃ — عامل — حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ایک عامل علی
کان لعمر بن عبد العزیز — الیه: — ابن ارطاۃ نے آپ کو لکھا کہ ہمارے
اما بعد فان اناسا قبلنا — یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے ذمہ
لا یؤدون ما علیھم من الخراج — واجب الادا خراج اسوقت تک ادا
حتی یمسھم العذاب — نہیں کرتے جبتک انھیں کچھ سزا نہ دیجائے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس خط کے جواب میں لکھا

اما بعد فالعجب کل العجب — مجھے سخت تعجب ہے کہ تم نے مجھ سے انسانوں کو
من استئذانك ایای فی عذاب — سزا دینے کی اجازت طلب کی ہے، گویا میں
البشر کانی جنة لك من عذاب — تمھیں عذاب الٰہی سے بچا لونگا یا میری
اللہ وکان رضای ینجیك من — رضامندی تمھیں غضب خداوندی سے
سخط اللہ، اذا اتاك کتابی — بچالیگی، میرا یہ خط پانے کے بعد یہ طریقہ اختیار
ھذا فمن اعطاك ما قبله — کرو کہ جو شخص اپنے ذمہ کی واجب رقم بآسانی
عفوا والا فاحلفه[1] — ادا کر دے اسے لے لو اور جو نہ دے اس سے
حلف لیکر اسے چھوڑ دو

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف ص ۱۱۹

یت میں عفو طیب خاطر اور خوشدلی کے معنی میں ہے یعنی جو شخص اپنی استطاعت
دلی سے جتنا خراج دے سکے اتنا ہی اس سے وصول کیا جائے، مستشرقین نے
اپنے حسب منشا لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے، ابو عبید کی ایک روایت میں عفو کا ذکر
رقہ و زکوٰۃ سے بری کر دینے کے معنی میں آیا ہے،
م روایات و نصوص کا مطلب یہ ہے کہ:-

ج ضروریات سے زائد مال پر وصول کیجائے۔

ب استطاعت لیجائے،

ی قوت برداشت سے زائد نہ ہو۔

ب خاطر اور خوش دلی سے دیجائے۔

علوم ہوا کہ عفو فقہ کی ایک فنی اصطلاح ہے، جو متعدد معنی میں استعمال ہوتی
علیؓ نے اپنے عامل کو جواب دیتے ہوئے جو یہ فرمایا کہ "انا امرنا ان ناخذ منھم
ضل"۔ اس میں عفو کے معنی یہ ہیں کہ "غیر مسلموں سے ان کی ضروریات سے
ی لیا جائے"، اور اگر ان کی ضروریات سے فاضل مال نہ ہو تو خراج کی تحصیل
ی جائے۔

سلہ کی ایک نئی اصطلاح "طاقت" بھی ہے، یہ لفظ کتاب الخراج کے
ں متعدد جگہ آیا ہے، طاقت کا مفہوم عام طور سے معلوم اور واضح ہے،
توضیح کی حاجت نہیں ہے، جیسا کہ درج ذیل نصوص سے ظاہر ہوگا:
دم اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ:-

ن الخطاب رضی اللہ عنہ | حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

انہ قال اوصی الخلیفۃ من	انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے بعد ہونے والے
بعدی باھل الذمۃ خیرا ان	خلیفہ کو اہل ذمہ کے ساتھ بھلائی کرنے کی
یوفی لھم بعھودھم وان یقاتل	وصیت کرتا ہوں اور یہ کہ ان سے جو
من ورائھم وان لا یکلفوا	معاہدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کیا جائے
فوق طاقتھم [1]	اور ان پر انکی قوت برداشت سے زیادہ
	بوجھ نہ ڈالا جائے۔

امام موصوف ہی ایک دوسری جگہ روایت کرتے ہیں کہ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
انہ قال..... ویضع علیھم	امام..... غیر مسلموں پر مناسب جزیہ
الامام الجزیۃ بقدر ما یری	عائد کرے لیکن (اس بات کا خیال رکھے کر)
ولکن لا یکلفون فوق طاقتھم [2]	ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان پر
	بار نہ ڈالا جائے۔

اس نص سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ کی مقدار یکساں نہیں رہتی، بلکہ حالات زمانہ کے ساتھ اس میں تغیر ہوتا رہتا ہے، مذکورۂ بالا روایت کو امام ابو یوسف نے بھی اپنی سند سے نقل کیا ہے [3]۔

اوپر کی جس روایت میں حضرت عمرؓ کا اپنے عاملین عثمان بن حنیفؓ اور حذیفہ بن یمانؓ سے سواد کے خراج کے بارے میں بار بار سوال کا ذکر آیا ہے، اس میں طاقت کا لفظ موجود ہے، اور وہاں بھی اس کا مفہوم اسی عام معنی میں ہے کہ "شاید تم نے اہل سواد کی قوت برداشت

---

[1] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۵۴ [2] ایضاً ص ۵۱ [3] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۸۴

…زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے"، امام ابو یوسف نے ایک دوسری روایت میں اس مفہوم
…ید وضاحت کی ہے۔[۱]

…مذکورۂ بالا تفصیلات سے عفو، فضل اور طاقت کی اصطلاحات کے مخصوص مفہوم
…انی سامنے آگئے اور یہی قانون خراج کی بنیاد ہیں، اور ان ہی کے مطابق ہمیشہ
…وں کے ساتھ معاملہ کیا گیا ہے، یعنی اتنا ہی ٹیکس اہل ذمہ پر عائد کیا گیا جو ان کی استطاعت
…ت برداشت کے مطابق اور ضروریات سے فاضل تھا لیکن مستشرقین نے یہ باور
…کی کوشش کی ہے کہ غیر مسلموں کو بنیادی اور ناگزیر ضروریات کے علاوہ اور کوئی رعایت
…ٹیکس میں حاصل نہیں تھی، جو صریحاً غلط ہے، امام ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم
…رنا ان ناخذ عفو فضلهم" کی تفسیر کرتے ہوئے بہت صراحت کے ساتھ
…یا ہے کہ "اس کا مطلب غیر مسلموں سے ان کی استطاعت کے مطابق اور ضروریات
…ل خراج وصول کرنا ہے"۔

…تاب الخراج امام ابو یوسف کے ناشر مسٹر لوکیگرڈ (Lokkegard)
…عفو، فضل اور طاقت کے مفہوم کی ایسی تشریح کی ہے جو قانون خراج کی روح سے
…طابقت نہیں رکھتی، وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام نے ضروریات سے فاضل ٹیکس وصول
…ی جو تاکید کی ہے اس سے مراد "قدرة قصوى" ہے، یعنی استطاعت کا انتہائی
…س کا مطلب یہ ہے کہ عفو یا فضل جو بھی معاہدین سے وصول کیا جائے وہ انسانی
…کی آخری مقدار کے مطابق ہو،[۲]

…ج لابی یوسف ص ۲۴ [۲] مسٹر لوکیگرڈ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اسلام نے خراج کے لیے ضروریات سے فاضل ہونے
…کیا ہے اس میں بھی ٹیکس ادا کرنے والے کی استطاعت کا آخری درجہ رکھا ہو یعنی اگر کوئی شخص ضریبی
…ت تو یہ اسکی استطاعت کے مطابق ضروری ہے لیکن اس کی کل فاضل آمدنی یہی صرف ہے، اس کو
…دینے کے بعد اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ (ضیم)

معاہدۂ رہا | ذیل میں ہم رہا کے معاہدہ کے متعلق کتاب الخراج کی ایک طویل روایت نقل کرتے ہیں، پھر مستشرقین نے حقیقت کو مسخ کرنے کے لیے جو مغالطہ دہی کی کوشش کی ہے اس کا تفصیلی جائزہ لیں گے، یہ روایت خراج اور فتوحات سے متعلق تمام کتابوں میں مذکور ہے، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہی معاہدہ بعد میں سرحدی شہروں اور علاقوں کے خراج کی بنیاد قرار پایا جس کے مطابق اہل زمین کے مصالح اور ان کی استطاعت کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا، وہ روایت حسب ذیل ہے:-

وجه ابو عبيدةؓ عياض بن غنم	حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے عیاض بن
الفهري الى الجزيرة وما بينة	غنم الفہری کو الجزیرہ کی طرف روانہ کیا
ملك الروم يومئذٍ الى ها	اسوقت رومی علاقہ کا مرکزی شہر رہا تھا
فعمد لها عياض بن غنم ولم	عیاض نے اسی کا رخ کیا اور راستہ میں
يتعرض بشئ مما مرّ به من القرى	جو قصبات اور گاؤں پڑے ان سے کوئی
والرساتيق ولم يلق كيداً ولا	چھیڑ چھاڑ نہ کی، اسلیے کسی سے جھڑپ کی
جنداً حتى نزل الرها فاغلق	نوبت نہیں آئی اور وہ رہا پہنچے، وہاں
اصحابها ابوابها واقام عياض	کے باشندوں نے شہر کے دروازے
عليها بشا لم يسم لى، فلما رأى	بند کر لیے، عیاض کچھ عرصہ تک محاصرہ
صاحبها الحصار ويئس من	کیے پڑے رہے، جب رئیس قلعہ نے
المدد فتح لها باباً فى الجبل	دیکھا کہ محاصرہ جاری ہے اور کسی جانب سے
ليلاً فهرب واكثر من كان معه	کوئی کمک آنے کی امید نہ رہی تو ایک
من الجند وبقى فى المدينة	رات پہاڑی کی طرف ایک دروازہ

من الانباط وهم كثير و	کھول کر بھاگ نکلا، اسکے ساتھ اسکے اکثر
لهرب من الروم وهم قليل	فوجی بھی بھاگ گئے اور شہر میں اسکے صرف
الى عياض بن غنم ليسألونه	نبطی باشندے رہ گئے جن کی تعداد بہت
شئ مسمى	کافی تھی، تھوڑے سے رومی بھی رہ گئے
	جن کی تعداد بہت کم تھی، ان لوگوں نے
	عیاض بن غنم کے پاس قاصد بھیجکر ایک متعین
	رقم (خراج) کی ادائیگی پر صلح کی درخواست کی،

نے ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو لکھ بھیجا، ان کو خط ملا تو انھوں نے معاذ بن جبلؓ کو بلاکر
ضرت معاذؓ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا،

اعطيتهم الصلح على شئ مسمى	اگر آپ ان سے کسی متعین چیز پر صلح کر لیتے
نه لم يكن لك ان تقتلهم	ہیں اور بعد میں وہ اس کو ادا کرنے سے قاصر
يداً من ابطال ما اشترطت	رہیں تو آپ کو انھیں قتل کرنے کا حق حاصل
ن التسمية وان اليسروا	نہیں ہوگا، آپکے لیے عملاً صرف یہی شکل
ل غير الصغار الذى	رہ جائیگی کہ متعینہ رقم کو منسوخ کر دیں،
به فيهم فاقبل منهم	جب ان میں اسکی ادائیگی کی استطاعت
اعطهم اياه على ان	پیدا ہو جائیگی تو وہ کسی جبر کے بغیر اس کو
طاقة فان ايسروا	ادا کر دینگے، اسلیے مناسب یہ ہوگا کہ آپ
ر والم يكن لك عليهم	انکی درخواست صلح اس شرط پر منظور
طيقون وتم لك	کرلیں کہ وہ اپنی قوت برداشت کے

شرطك ولم يبطل	مطابق خراج ادا کریں گے پھر آیندہ وہ خوشحال
	ہو جائیں یا بدحال رہیں، آپ ان سے ان کی
	استطاعت کے مطابق وصول کرسکیں گے اور
	آپ کی شرط ہر حال میں پوری ہوتی رہے گی،
	اس کو منسوخ کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔

ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کا یہ مشورہ قبول کرلیا اور اسے عیاض بن غنم کو لکھ بھیجا، یہ خط عیاض بن غنم کو ملا تو انھوں نے باشندگان شہر کو اس کے مضمون سے مطلع کیا، امام ابویوسف لکھتے ہیں۔

فاختلف عليه فى هذا الموضع	اس کے بعد کیا ہوا، اس سلسلہ میں مختلف
فقال قائل قبلوا الصلح على قدر	روایتیں ہیں، بعض کا خیال ہے کہ انھوں نے
الطاقة وقال آخر انكروا ذلك	حسب استطاعت ادائیگی کی شرط پر صلح
وعلموا ان فى ايديهم اموالاً	منظور کر لی، اور بعض کا کہنا ہے کہ اسکے
وفضولاً تذهب ان اخذوا	قبول کرنے سے انکار کیا کیونکہ وہ جانتے تھے
بالطاقة وابوا الا شيئاً مسمى	کہ ان کے پاس ضرورت سے زیادہ مال و دولت
فلما رأى عياض اباءهم	کافی مقدار میں موجود ہے، اگر حسب استطاعت
وحصانة مدينتهم واليس	ادا کرنے کی شرط قبول کرتے ہیں تو یہ سب
من فتحها عنوة، صالحهم	چلا جاتا ہے اس لیے انھوں نے خراج کی رقم
على ما سألوا والله اعلم اى	متعین کر دینے پر اصرار کیا، عیاض نے
ذلك كان الا ان الصلح قد وقع	جب انکا یہ اصرار دیکھا اور قلعہ کی مضبوطی

...علیہ المدینۃ ...
... ذلک[1]

کی بناپر اسکو زور وقوت فتح کر لینے کی امید
نظر نہیں آئی تو انہی کی پیش کردہ شرطوں پر
صلح کرلی، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دونوں
صورتوں میں سے کونسی اختیار کیگئی تھی
البتہ اس میں کسی شبہہ کی گنجائش نہیں
کہ صلح ہوئی تھی اور شہر انکے ہاتھوں فتح ہوا

...ور وقوت اور صلح سے فتح کی ہوئی زمینوں کی نوعیت کے اختلاف نے عرب مورخین
...ختلاف پیدا کر دیا، جو زمینیں صلح کے ذریعہ فتح ہوتی تھیں ان پر عام طور سے
...کیا جاتا تھا، لیکن رہا کے معاملہ میں عربوں کا اصرار تھا کہ اہل رہا کی حسب استطاعت
...ئے، ان کے اس اصرار کا حقیقی سبب بھی عدل و مساحت ہی کا جذبہ تھا، لیکن
...ٹر ڈینیت (Dennett) نے اس نص کی تفسیر کرتے وقت
...ت" (حسب استطاعت) کو ایک ابدی بنیاد قرار دیدیا، چنانچہ مسٹر ڈینیت
...یت پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ" اہل رہا سے جن شرطوں پر
...یں خود عرب مجاہدین نے ان کے سامنے پیش کیا تھا، مگر یہ رائے اس
...طابق نہیں ہے جس کی بنیاد پر عربوں نے صلح کے ذریعہ فتح کیے ہوئے
...آمد کیا،
...وہ مسٹر لوکیگرڈ (Lokkegaard) نے "حسب استطاعت"
...میں خراج کی بنیاد ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، جو بزور وقوت فتح ہوا ہو،

۲۶۲
...یوسف ص ۴۰، فتوح البلدان بلاذری ص ۱۷۷-۱۷۸ ؛ الکامل لابن اثیر ج ۲ ص

حالانکہ مذکورۂ بالا روایت سے اس کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔

درحقیقت رہا کی فتح کی نوعیت اور حسب استطاعت خراج متعین کرنے کے بارہ میں عرب فاتحین کی حکمت عملی کو مورخین اور مستشرقین یورپ صحیح طور پر سمجھ نہ سکے، اسی لیے ان کی رایوں میں باہم بہت تضاد پایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں دو اہم باتیں خاص طور سے ملحوظ رہنی چاہئیں، اول یہ کہ شہر رہا سرحدی خطہ میں واقع تھا، دوسرے یہ کہ اہل رہا کی نیتیں خراب تھیں، جیسا کہ اوپر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے، وہ حیلہ سازی سے اپنی دولت کو ٹیکس سے بچانا چاہتے تھے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر "حسب استطاعت" کے اصول پر خراج کی تعیین ہوئی تو ان کے ہاتھ سے بڑی دولت نکل جائے گی، اسی لیے انھوں نے فاتحین کی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا، اور خراج کو متعین کر دینے پر مصر تھے۔

مسلمانوں کو خراج متعین کرنے میں تذبذب اس لیے تھا کہ یہ تعیین شریعت کی روح عدل کے خلاف تھی کیونکہ گو اس وقت یہ متعینہ رقم اہل رہا کی قوت برداشت سے بہت کم تھی، لیکن اس کا امکان تھا کہ آیندہ یہ متعینہ مقدار ان کی استطاعت سے زیادہ ہوجائے گی، اس لیے خود اہل رہا کی مصلحت اور فائدہ کے پیش نظر فاتحین چاہتے تھے کہ وہ حسب استطاعت خراج کی ادائگی پر رضامند ہوجائیں۔

مسٹر ڈینیت نے یہاں بھی ایک قسم کی پیچیدگی پیدا کر دی ہے، اور روایت کے الفاظ "واللہ اعلم ای ذلک کان" کی عجیب و غریب تشریح کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ شرائط صلح کو قبول کرنے کے بارے میں اہل رہا کے مابین خود اختلاف موجود تھا، حالانکہ فی الواقع اختلف علیہ فی ھذا الموضع...... واللہ اعلم ای ذلک کان" میں امام ابو یوسف نے فقہاء اور رواۃ عرب کے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان میں سے بعض کی

...ر رہا سے حسبِ استطاعت مقدارِ خراج پر صلح ہوئی تھی، اور بعض کا خیال ہے
...یہ ۔

...ین میں مجاہدین اور اہلِ رہا کے نقطۂ نظر میں اختلاف کی وجہ اوپر بیان کیجا چکی، اسکی مزید تفصیل
...علاقہ تھا مسلمانوں کے لیے یہاں کے باشندوں کا مفاد پیشِ نظر رکھنا ضروری تھا اور انکا
...رقم کی تعیین نہ کیجائے تاکہ اہلِ رہا حسبِ استطاعت خراج ادا کر سکیں لیکن اہلِ رہا دولتمند
...خطرہ تھا کہ اگر حسبِ استطاعت کی شرط رکھی گئی تو رومیوں سے جنگ کے زمانہ میں مسلمان
...لت پر قبضہ کر لیں گے، اس لیے وہ متعین رقم کے لیے مصر تھے ۔

...یا تو عربوں کی حکمت عملی کو سمجھ ہی نہ سکے یا جان بوجھکر اہلِ رہا کے حسبِ استطاعت
...ے سے گریز و فرار پر پردہ ڈالنے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عرب
...ت غیر مسلموں کو لگان دینے پر مجبور کرتے اور اس کی تحصیل میں سختی برتتے
...ں میں اہلِ رہا سے جو صلح نامہ ہوا تھا اُس کا اصل متن درج کیا جاتا ہے، اس سے
...یہ کی پوری تردید ہو جاتی ہے ۔

...رحمن الرحیم هذا کتاب
...ابن غنم ومن معه من
...هل الرها انی امنتهم
...واموالهم وذراریهم
...وما بینتهم و
...اذا ادوا الحق علیهم
...ان یصلحوا جسورنا

بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ تحریر عیاض بن غنم
اور انکے ساتھ کے تمام مسلمانوں کی طرف
سے اہلِ رہا کے لیے ہو کہ میں نے اہلِ رہا کی
جان و مال نسل، عورتوں شہروں
وغیرہ کو اس شرط پر امان دیا ہے کہ وہ
اس حق کو ادا کرتے رہیں جو ان پر مقرر
کیا گیا ہے، اور ہمارا ان پر حق یہ ہے کہ

ویهدوا ضالنا شهد الله
وملئکته والمسلمون[1]

وہ ہمارے پلوں کو درست رکھیں اور
ہمارے بھولے بھٹکوں کی رہنمائی
کریں، اس عہد نامہ پر خدا، اس کے فرشتے
اور تمام مسلمان گواہ ہیں ۔

خلاصۂ بحث غرض متعینہ خراج کا اصول صرف آغاز اسلام کی فتوحات میں جاری تھا، لیکن جب فتوحات کی کثرت سے بہت سی زمینیں اور جاگیریں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں تو زمین کے مالکوں کی قوتِ برداشت اور حسبِ استطاعت کا اصول عام طور سے رائج ہو گیا تھا[2] جس کی متعدد خراجی روایات سے تائید ہوتی ہے، مثلاً حضرت عتبہ بن ابی رباح نے خلیفہ ہشام بن عبد الملک کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا "غیر مسلموں کے معاملات میں ہمیشہ عدل سے کام لینا اور ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ ٹیکس ان پر عائد نہ کرنا"۔ ہشام نے ان سے وعدہ کیا کہ اہلِ ذمہ پر ان کی استطاعت اور مقدرت کے مطابق ہی ٹیکس لگایا جائے گا[3]۔

مصر میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی گورنری کے زمانہ میں حسبِ استطاعت کے اصول پر بہت سختی سے عمل کیا گیا[4]، دوسرے خراجی وثائق سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ہر عہد اور ہر زمانے میں ٹیکس کی مقدار استطاعت اور برداشت کے مطابق رہی، خواہ وہ ٹیکس زمین کا خراج (Single Tex) ہو یا جزیہ (Poll-Tex)

[1] فتوح البلدان ج ۱ ص ۱۷۹، تہذیب التہذیب لابن حجر، ج ، ص ۱۹۹، ۲۰۰ ۔
[2] محاضرات الابرار ج ۱ ص ۱۶۵ [3] کتاب الاموال ص ۴۰ [4] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۳۷، ۳۹، ۸۵، ۸۶، کتاب الخراج یحییٰ بن آدم ص ۲۴۰، ۲۴۱ ۔

ستاویزات خراج اور اس کی تحصیل کے متعلق ابن عبدالحکم کی روایات
ت رکھتی ہیں جس سے یہ پوری طرح ظاہر ہوتا ہے کہ عام طور
طاعت کے مطابق وصول کیا جاتا تھا، اگر مغازی کی کچھ کتابوں
تیں اس سے مختلف ملتی ہیں تو انھیں شندوذ میں شمار اور ان
یا جائے گا، امام ابویوسفؒ اور یحییٰ بن آدم کی بھی بیشتر روایات
مطابق ہیں[۳۸]

دلائل اور تصریحات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ مستشرقین کا
ہے کہ "قدر طاقت" سے مراد اس کی آخری حد ہے، اور مسلم حکمران
ی یا اس لیے تشدد سے کام لیتے تھے کہ خراج کی آمدنی ہی زیادہ
ہو سکے

ے حقیقی معنی جیسا کہ شواہد کے ساتھ اوپر مذکور ہوئے، یہ ہیں کہ اہل خراج
فاضل، ان کی مالی پوزیشن کے مطابق اور پیداوار کی حالت کے
تعین کیجائے، اس سلسلے میں اگر ہم صرف دستاویزات بردیہ[۴]
م کی روایات ہی پر اعتماد کرلیں تو ہمیں مستشرقین کے نظریات
کا کھوٹا پن صاف نظر آجائے گا۔ واللہ یقول الحق وھو

ن لابن قتیبہ ص ۳ و التاریخ لابی جعفر ص ۱۵۰ و کتاب الخراج لابی یوسف ص[۳۷]
ن آدم ص ۲۴۰

ادبیات

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

مری نظر میں ہے جب سے ترے شباب کا رنگ
اڑا اڑا نظر آتا ہے ماہتاب کا رنگ

نقاب حسن پھر اس پر ترے شباب کا رنگ
اک آفتاب کا پرتو اک آفتاب کا رنگ

شریک غم ہے نہ کوئی انیس تنہائی
کسے دکھاؤں دل خانماں خراب کا رنگ

سوال شوق یہ تیرا تبسم مبہم
سمجھ رہا ہوں کہ ہے کیا ترے جواب کا رنگ

یہ خاص بات تھی ساقی کی چشم میگوں میں
نگاہ پڑتے ہی اڑنے لگا شراب کا رنگ

نہاں ہے موجۂ صہبا میں تیرا حسن خرام
عیاں ہے شیشۂ مے سے ترے شباب کا رنگ

نیاز و ناز کا کتنا حسین مرقع ہے
مرے سوال کا پہلو ترے جواب کا رنگ

ہزار صاعقہ بر دوش و جلوہ در آغوش
زہے فروغ جوانی خوشا نقاب کا رنگ

نہ چھیڑ تذکرۂ انقلاب تو اے دوست
ابھی مٹا نہیں ماضی کے انقلاب کا رنگ

تمام بزم تصور پہ چھا گیا جوہرؔ
خیال عارض رنگیں ہے یا گلاب کا رنگ

غزل

از جناب محمد منشاء الرحمٰن خاں صاحب منشاء ناگپور

زخموں کے گل ہیں داغوں کے لالے ہمارے ساتھ
آئیں بہار دیکھنے والے ہمارے ساتھ

ے ڈرتے نہیں ہیں ہم | ہیں علم و آگہی کے اجالے ہمارے ساتھ
قدم سے ہیں نوربار | سامان روشنی ہیں نرالے ہمارے ساتھ
دں کا جو کام ہو وہی | کرتے ہیں کام پاؤں کے چھالے ہمارے ساتھ
تی ہیں رعنائیاں ہیں | رہتے ہیں رنگ و نور کے ہالے ہمارے ساتھ
ہو جس کو وہ بے خطر | آکر قدم قدم سے ملالے ہمارے ساتھ
ت بے کارواں نہیں | لاکھوں ہیں رنج و درد کے پالے ہمارے ساتھ

منشاؔ ہمیں زمانے سے کہنا ہے بس یہی
گیت امن و آشتی کے یہ گالے ہمارے ساتھ

غزل

از جناب نیازؔ مکن پوری

ب قلب پُر محن تنہا | دیکھیں اب جلے کب تک شمع انجمن تنہا
دل کو توڑ دیتی ہے | بے رخی نہیں ہوتی حوصلہ شکن تنہا
ی محفل بہاراں میں | پھول ہی نہیں ہوتے زینتِ چمن تنہا
وے ہیں انہیں تنہائی | بزم ان کی خلوت بھی میں در انجمن تنہا
ہئے قوی دل بھی | کام آئے گا کب تک صرف بانکپن تنہا
لاکھ فتنۂ محشر | بیکسی کے ماتھے کی ہلکی سی شکن تنہا
جب یقین کا سورج | دے گی پھر اجالا کیا آس کی کرن تنہا

اب نیازؔ دنیا میں اس طرح سے رہتا ہوں
اجنبی دیاروں میں جیسے بے وطن تنہا

مطبوعات جدیدہ

رموز عشق - مرتبہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب سابق پروفیسر و صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۲۰۰ قیمت صر

پتہ: ندوۃ المصنفین، جامع مسجد، دہلی ۶

عشق و محبت کو صوفیہ نے وصول الی اللہ کا اقرب طریقہ اور نکتہ دانِ روم نے تمام روحانی امراض کا طبیب بتایا ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما | اے طبیبِ جملہ علتہائے ما

اس کتاب میں اسی عشق و محبت کی حقیقت و ماہیت، اسرار و کیفیات، انکے مختلف مراتب و مدارج، محبت کی علامتوں اور اسباب کو عارفانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے، ایک باب میں عشق حقیقی کی اہمیت اور دین میں اُس کا درجہ و مقام واضح کیا گیا ہے اور اس کی تائید میں آیات و احادیث اور صوفیائے کرام کے ارشادات نقل کیے گئے ہیں اور عشق کے نتائج و ثمرات اور فوائد پر گفتگو کی گئی ہے، ایک باب میں عشق مجازی کی جو کبھی عشق حقیقی تک رسائی کا ذریعہ بنجاتا ہے، حقیقت و اقسام پر روشنی ڈالی گئی ہے، اور اس کے بہیمانہ مظاہر کو معیوب اور باطل بتایا گیا ہے اور صوفیہ کی کیجانب حلول و اتحاد کی نسبت کی تردید اور نظریۂ وحدت الوجود کی صحیح حقیقت واضح کی گئی ہے، کتاب میں جن صوفیہ کے ناموں اور اُن کی اصطلاحات کا ذکر ہے، حواشی میں ان کے متعلق ضروری مختصر معلومات درج ہیں، مگر عام صوفیانہ کتابوں کی طرح اس میں بھی

...ت روایات کی نقل میں احتیاط نہیں کی گئی ہے، عشق مجازی کے سلسلہ میں بعض نمونے
...فعات بھی نقل کیے گئے ہیں جو ثقاہت کے منافی ہیں، بعض الفاظ کی تحقیق و تشریح
... کا خیال نہیں کیا گیا ہے، مثلاً خلت کو تخلیہ سے ماخوذ بتایا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے،
... خالص ذوقی و وجدانی ہے، اور کیفیات و ذوقیات کو تعقلات کی زبان میں
...ت مشکل کام ہے، لیکن فاضل مصنف نے ان کو بڑے دلنشین انداز میں پیش کیا ہے،
...ے اردو کیا دوسری زبانوں میں بھی اس نوعیت کی ایسی جامع کتاب مشکل سے
...لیکن اس سے اصل لطف وہی اٹھا سکتے ہیں جو بادۂ معرفت کے لذت شناس ہیں۔

...اردو لغت۔ مرتبہ ڈاکٹر محمد صابر صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و
...ت بہتر صفحات تقریباً ..۷، مجلد مع گردپوش، قیمت ... پتہ: ترقی اردو
... کراچی، پاکستان۔

...ے کے پاکستانی ماہر اور کراچی یونیورسٹی میں ترکی زبان اور تاریخ اسلام کے لائق استاذ
...د نے ترکی زبان سیکھنے والے طلبہ کے لیے بیس ہزار الفاظ پر مشتمل یہ ترکی اردو لغت
... جو اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اس میں ترکی سیکھنے کے لیے جن لفظوں
...ں ہے یا جو اردو میں مستعمل ہیں وہ سب اور ان کے ساتھ ترکی، پاکستانی ثقافت
...ا علمی، ادبی، فنی اصطلاحات، محاورات اور ضرب الامثال وغیرہ دیے گئے ہیں
... کے سمندروں، بر اعظموں، اہم ملکوں اور زبانوں، ترکی صوبوں، وزارتوں اور
...، آسمانی برجوں، موسموں، ایام و شہور، تہواروں کے نام اور اعداد وغیرہ کا
...ع کر دیا گیا ہے، شروع میں ترکی زبان و حروف کے متعلق ضروری اور بنیادی
...ت حیثیتوں سے اس کی اہمیت کا ذکر ہے، اس کتاب کی اصل قدر و قیمت کا انداز

تو ترکی جاننے والے ہی کر سکتے ہیں لیکن اس کی ورق گردانی اور مقدمہ وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے
کہ فاضل مرتب نے بڑی محنت و تحقیق سے کام لیا ہے، اور یہ ترکی سیکھنے والوں کے لیے نہایت
مفید و کارآمد ہے، ہند و پاک اور ترکی تعلقات کے نقطۂ نظر سے بھی کتاب اہم ہے۔

کلیات مصحفی جلد دوم۔ مرتبہ جناب نثار احمد صاحب فاروقی، تقطیع کلاں، کاغذ،
کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۵۰۴، مجلد مع گردپوش، قیمت مجلد ... پیسے
غیر مجلد ... پتہ: علمی مجلس، دلی۔

مصحفی کی عظمت و شہرت کے باوجود اُن کا پورا کلام ابتک شائع نہیں ہوا تھا، علمی مجلس دلی
جس کے قیام کا مقصد اردو میں علمی و تحقیقی کام اور اس کی بلند پایہ اور اہم کتابوں کی ترتیب
و اشاعت ہے، اور جو اس سے پہلے بعض مفید کتابیں شائع کر چکی ہے، اب اس نے مصحفی
کے کلام کو آٹھ جلدوں میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے، ان کی ترتیب و تدوین اور متن
کی تصحیح کا کام اردو کے مشہور و لائق ادیب و محقق نثار احمد فاروقی صاحب نے اپنے ذمہ لیا ہے،
پہلے اس کا دوسرا حصہ مرتب کیا ہے، اس میں ۴۴۸ غزلیں، ۵۰ رباعیاں اور چند مثنویات
اور مسدس و مثمن وغیرہ شامل ہیں، لائق مرتب نے اس کو چار قلمی نسخوں کی مدد سے بڑی کاوش
و محنت سے مرتب کیا ہے، حواشی میں نسخوں کا فرق و اختلاف واضح کیا ہے، شروع میں جناب
مالک رام صاحب کے قلم سے مختصر پیش لفظ ہے، اس میں زبان کی کلاسیکل اور بنیادی کتابوں
اور ان کے متون کی اشاعت کی اہمیت اور ان کی ترتیب کے بعض مفید اصولوں کی نشاندہی
کی گئی ہے، ظاہری نفاست و زینت بھی نہایت دیدہ زیب ہے، اس کے لیے مرتب اور
علمی مجلس دونوں اہل ذوق کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

مخطوطات انجمن ترقی اردو (فارسی و عربی) مرتبہ جناب سید سرفراز علی صاحب رضوی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات ۱۳۲

…ہ پیسے، پتہ: انجمن ترقی اردو، بابائے اردو روڈ کراچی۔

…ایران کے جشن تاجپوشی کے موقع پر انجمن ترقی اردو پاکستان نے جو کتابیں شائع
… یہ کتاب بھی ہے، اس میں انجمن کے کتب خانہ کے ایک ہزار سے زیادہ فارسی
… کی صرف اجمالی فہرست دی گئی ہے، عجلت کی وجہ سے تفصیلی فہرست مرتب
… فہرست میں فن وار کتابوں کے نام صفحات کی تعداد اور جن مصنفین و
… اور سنہ تصنیف وکتابت کا علم ہو سکا ہے، درج کیا گیا ہے، لیکن بعض مشہور
… جیسے مطول، تہذیب المنطق قطبی اور دلائل الخیرات وغیرہ کے مصنفین
… کئے گئے، غالباً مرتب نے انوار التنزیل اور تفسیر بیضاوی کو دو کتابیں
… کے مصنف کا نام تو لکھا ہے لیکن انوار التنزیل کے مصنف کا نام نہیں لکھا،
… مصنفین کے ناموں کے نقل میں اس قدر اختصار سے کام لیا گیا ہے جس سے
… ا ہے، فہرستوں کی ابتداء قرآنیات اور تفسیر کی کتابوں سے کیجاتی ہے،
… کا خیال نہیں کیا گیا ہے، یہ فروگذاشتیں غالباً عجلت کا نتیجہ ہیں، امید ہے
… ست میں ان کو دور کر دیا جائے گا، خامیوں سے قطع نظر یہ اجمالی فہرست
… نہیں، اس سے تحقیقی کام کرنے والوں کو بڑی مدد ملے گی، آخر میں ابو سلمان
… نے اسماء کا انڈکس مرتب کیا ہے، اور شروع میں بعض اہم اور مصور
… ی دیا گیا ہے،

… نگار فکر - مرتبہ جناب عابد بجا نسیم آروی و کریم اسدی صاحبان،
… کاغذ وکتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۴۸ - ۱۸۴ مجلد مع گرد پوش،
… ے ۵۰ پیسے۔ پتہ: دفتر مجلس اشاعت، بھاگلپور۔

یہ دونوں مجموعے مجلس اشاعت بھاگلپور کی طرف سے شائع ہوئے ہیں، جو غزلوں، نظموں اور قطعات پر مشتمل ہیں، نسیم صاحب جوان سال ترقی پسند شاعر ہیں، ان میں شعر و سخن کی پوری استعداد ہے، لیکن پختگی کی کمی ہے، شروع میں امان اللہ غازی صاحب کے قلم سے مقدمہ ہے جس میں آرہ کی ادبی تاریخ اور اس کے ادیبوں کا ذکر اور نسیم صاحب کے کلام کے خصوصیات بیان کیے گئے ہیں لیکن بیان میں طوالت اور مبالغہ ہے، کریم اسدی صاحب معمر اور کہنہ مشق شاعر ہیں، ان کو غزل سے زیادہ مناسبت ہے، اور ان کا طرز قدیم مگر کلام میں پختگی ہے، قدامت کے باوجود وہ مسائل اور تقاضوں سے بھی واقف ہیں، اور ان کے کلام میں غم دل اور غم جاناں کی طرح غم زمانہ کی حکایت بھی ہے، اور وہ زلف محبوب کی طرح گیسوئے ہستی کو بھی سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی نظمیں بھی فنی اور معنوی حیثیت سے دلکش ہیں، ان سے ان کی قوم و وطن سے سچی محبت کا اندازہ ہوتا ہے، مجموعی حیثیت سے دونوں مجموعے بہتر ہیں۔

بنیادی قرآنی تعلیم - مرتبہ قاری ابو البیان سید محمد ابراہیم بہری صاحب، تقطیع خورد، کاغذ، کتابت وطباعت معمولی صفحات ۳۲۰، قیمت للعہ/، پتے: (۱) اللجنۃ العلمیۃ چنچل گوڑہ، حیدر آباد ۲۴ (۲) مکتبہ نشأۃ ثانیہ، معظم جاہی مارکیٹ حیدر آباد۔

حیدر آباد کے دینی ادارہ دار العرفان نے اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے ابتدائی تعلیم سے ہائی اسکول تک کے لیے قرآن مجید اور سیرۃ النبی کے امتحانات کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے اور اسکے لیے نصابی کتابیں بھی مرتب کی ہیں، یہ کتاب بھی اسی [illegible] ہے اور اس طرح مرتب کیگئی ہے کہ بچوں میں عربی کی اتنی استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنے لگیں اور اسکی عظمت سے واقف ہو جائیں، کلام مجید سے ضروری واقفیت کے لیے پارہ، رکوع، منازل، سورتوں اور آیتوں کی تعداد، وحی، کاتبین وحی، ائمہ قرأت، صحابہ، تابعین اور بعد کے مفسرین کے نام اور ان کے سنین وفات اور مختلف زبانوں کے تراجم اور

م بھی لکھ دیے گئے ہیں، اسلامی عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کے
ت، عبادات، غسل، وضو، تیمم اور عقیقہ وغیرہ کے طریقے اور ان کے متعلق آیات،
دعائیں بھی ترجمہ کے ساتھ دیدی گئی ہیں، اس طرح یہ کتاب قرآن اور مذہب کے متعلق
لومات کا ایسا کشکول ہے جس سے ہر مسلمان فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن اس کو جوں
اس لیے زیادہ مستند اور تحقیقی نہیں ہے، مرتب سے بعض فروگذاشتیں بھی ہوئی ہیں مثلاً
زکوٰۃ اور حج کے اہم جزِ قربانی کے احکام و مسائل تحریر نہیں کیے گئے ہیں، اخلاق
و بہت ضروری تھا دوسرے حصوں کے مقابلہ میں بالکل ناکافی ہے، تاہم مرتب کی
ہے۔

شاد۔ از جناب این۔ بی۔ سین ناشاد دہلوی صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، عمدہ
اعت غنیمت، صفحات ۲۴۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت ۶ روپے، پتہ: نیو بک
انڈیا، پوسٹ بکس نمبر ۲۵۰ نئی دہلی۔

بی۔ سین ناشاد دہلوی، طنز و مزاح نگار شاعر ہیں اور یہ دیوان انکے کلام کا
حصوں میں منقسم ہے، سیر و سیاحت، بزم خوباں، سیاسی گولہ باری، روحانی دنیا،
غزلیں اور قطعات۔ ناشاد صاحب نے موجودہ دور اور ماحول کا گہرا مطالعہ کیا ہے
کی ذہنی و اخلاقی پستیوں اور خرابیوں کا بڑے دلچسپ انداز میں خاکہ کھینچا ہے،
شی، اہل سیاست و ارباب حکومت کی خود غرضی، مذہبی علمبرداروں اور شاعروں
خصوصیت سے بھرپور طنز کیا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا کلام بڑا دلچسپ اور سبق آموز ہے
کے کلام میں ابتذال کا رنگ آگیا ہے، اور شوخ تصویروں کی اشاعت
گزرتی ہے۔

'ض'

جلد ۱۰۲ ماہ شعبان المعظم ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۶۸ء عدد ۵

مضامین